اُصُولِ تربیت

بارِ الٰہا ــــ !

اپنے بچّوں کو تربیت دینے،
ادب سے آراستہ کرنے اور نیکیوں سے
سجانے میں، میری مدد فرما۔
(امام زین العابدینؑ)

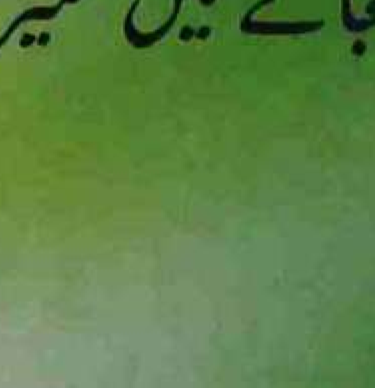

حضرت آیۃ اللہ
علّامہ سیّد ابن حسن نجفی

التماس سورہ فاتحہ
برائے ایصالِ ثواب
سید ریاض احمد جعفری
[illegible] حسین

اُصولِ تربیت

آیۃ اللہ علامہ سید ابن حسن نجفی

ناشر
ادارہ تمدّنِ اسلام
پوسٹ بکس ۱۳۶۹۸، کراچی (۷۵۹۵۰)

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ISBN NO. 969-8052-00-8

نام کتاب .... اُصولِ تربیت

مُصنّف .... آیت اللہ علامہ سید ابنِ حسن نجفی

پیش کش .... سید شمس نجفی

تزئین .... انور کمال

کتابت .... سید تہذیب حسین نقوی

مطالعۂ آیاتِ قرآنی .... مولانا حاکم الدین رحمانی

طباعت .... فضلی سنز لمیٹڈ

اشاعت .... دوم جنوری ۹۳ء

ناشر .... ادارۂ تمدّنِ اسلام

☆

کتاب ملنے کا پتہ

خُراسان بُک سینٹر

۱۲- سنیعہ آرکیڈ — بریٹو روڈ — کراچی ۷۴۸۰۰

فون: ۷۲۱۴۷۱۷

باسمہ سبحانہ

والدہ گرامی کی خدمت میں ۔۔!

آپ نے اٹھارہ سال علم و تقدس کے شہر "نجف اشرف" میں رہ کر مجھے "دین و دانش" کی خدمت کے قابل بنایا ۔۔ اور یہ صرف آپ کی دُعاؤں، محنت اور ایثار کا ظہورہ ہے کہ اس ناچیز کو "زبان و قلم" سے کام لینے کا کچھ سلیقہ آگیا ۔!

اماں! اس کتاب کو ترتیب دیتے وقت آپ بہت یاد آئیں! اور اب جبکہ "اصول تربیت" کے آخری صفحات لکھ چکا ہوں، تو بڑے احترام کے ساتھ اس محنت کو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

مسقط۔ عمان ۔۔۔ جمعہ ۔ ۲۳ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ (ہنگام سحر)
مطابق ۲۲ مئی ۱۹۸۷ء

آپ کے لیے رحمتِ بے پایاں کا طلبگار
آپ کا بیٹا ۔۔۔ ابن حسن نجفی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

۱ — گزارش احوال واقعی	۷
۲ — بات یہاں سے شروع ہوتی ہے	۱۱
۳ — حرفِ حق	۲۴
۴ — اور اب فرائض	۳۸
۵ — پرورش کا اہتمام	۵۵
۶ — حُسنِ تربیت	۵۹
۷ — اخلاق و آداب	۶۵

۸ — تکریم و تحسین	۷۶
۹ — محبت و شفقت	۹۱
۱۰ — علم و ہنر	۹۹
۱۱ — کام کاج	۱۲۳
۱۲ — سنبھلی ہوئی زندگی	۱۳۰
۱۳ — نیک جذبے	۱۳۳
۱۴ — انصاف چاہیے	۱۳۶
۱۵ — طرز و انداز	۱۴۲
۱۶ — نظام و انتظام	۱۴۶
۱۷ — کتابیات	۱۵۱
۱۸ — چند مغربی ماخذ	۱۵۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گزارشِ احوالِ واقعی

اولاد کی تربیت زندگی کا سب سے بڑا فرض ہے۔ مگر افسوس! کہ اس فریضے کو ٹھیک سے انجام دینے کے لیے ہمارے ہاں بنیادی نوعیت کے رہنما اصول تک عنقا ہیں!

بچوں کی پرورش کے بارے میں پرانے زمانے سے یہ ریت چلی آرہی ہے، کہ جو دیکھا جو سُنا اور اس "دید و شنید" کے بے بنیاد ذخیرے کو جس طرح سمجھ پائے، بس! وہی قاعدہ قانون بن گیا۔ نیز اسی پر عمل پیرا ہو کر مطمئن ہو گئے کہ ہم صحیح طریقے سے اپنے بچوں کو پال پوس رہے ہیں اور خدا رکھے ہمارے نونہالوں کی اٹھان بھی بالکل درست ہے۔ مگر جب بچے سمجھ دار ہوئے تو پتہ چلا کہ ان غریبوں پر تو قیامت گزر گئی۔!

مسلمان ہونے کے رشتے نہ انھیں اپنے نظریۂ حیات کا علم ہے، نہ طرزِ معاشرت کے قرآنی تصور سے واقف ہیں، اور نہ عملی زندگی کے دینی تقاضوں کا ادراک

رکھتے ہیں! ان کے پاس اگر کچھ ہے تو وہ نئی اور پرانی تہذیب کا ایک آمیزہ، رہن سہن کے چند خاص طریقے اور بول چال کی بعض نئی ادائیں! تھوڑی سی نصابی معلومات لارڈ میکالے کی کھونچا لگی ہوئی سوچ، معاشی وسائل کی صبر آزما طلب، اس کے ساتھ ایک پریشان سا دل اور بکھرے بکھرے سے خیالات!

اُف! "عصر نو" کے فرزند! جنھیں ذہنی اور ثقافتی اثاثے کے طور پر یہی کچھ ملا، وہ غریب ایک دوراہے پر کھڑے، انتہائی کرب انگیز کش مکش میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ اللہ اللہ! ایک طرف قلعی کی ہوئی مذہب نما لامذہبیت اور دوسری جانب دین سے منسوب، زنگ کھائی ہوئی، کھوکھلی باتیں۔ "نہ پائے رفتن، نہ جائے ماندن!" نہ ان میں دین کو چھوڑنے کی ہمت ہے۔ اور نہ مذہب میں رنگی ہوئی نسلی روایات سے کوئی رغبت ہے!

یہ بے چارے کیا کریں۔ کہاں جائیں۔؟ اسی کھینچا تانی سے پھر وہ تہاد کھانے لگتے ہیں، چیختے ہیں۔ بھڑکتے ہیں اور اس کے بعد کسی بھی مرحلے پر مغرب کے سانچے میں ڈھلی ہوئی "ناراض نسل" میں جذب ہو جاتے ہیں۔

یہ دیکھ کر ماں باپ کا دل الٹنے لگتا ہے، اور وہ اپنے بے قرار دل کی تسکین کے لئے ورثے میں ملے ہوئے یہ چند گھسے پٹے جملے دہرانے لگتے ہیں۔ کیا کہیں؟ قسمت خراب ہے! زمانہ برا آگیا ہے! وغیرہ..... حالانکہ ان میں سے ایک بات بھی درست

نہیں۔اصل میں لوگ "جَو" بوکر "گیہوں" کاٹنا چاہتے ہیں! اور یہ قوانین فطرت کے خلاف ہے!

اب، جسے "جان و دل عزیز" ہو۔اپنی اور اپنے بچوں کی خیر درکار ہو' اسے پوری سچائی کے ساتھ۔اپنی اولاد کی پرورش و پرداخت کے سلسلے میں ماضی کے دور اور حال کے زمانے کا احتساب کرنا چاہیئے۔ذرا اپنے آپ سے پوچھ کے تو دیکھیں کیا ہم نے واقعتاً تربیت کا حق ادا کیا ہے۔؟ کیا خود ہمیں پرورش کے صحیح طریقے معلوم تھے۔؟ اور ظاہر ہے کہ ضمیر کا جواب نفی میں ہوگا۔! تو پھر شکایت کیوں؟ جو ہم نے دیا تھا، وہی نفع کے ساتھ ہمیں واپس مل گیا!

مگر سچی بات یہ کہ غریب مربّی اور بے چارے والدین بھی کیا کریں۔؟ اس بارے میں تو کچھ لکھا گیا اور نہ کسی کو کچھ کہنے کی توفیق حاصل ہوئی!

اس عنوان پر "اردو" میں گنتی کی چند کتابیں ملتی ہیں وہ بھی یا تو مغربی زبانوں سے ترجمہ کی گئی ہیں، اور یا ان سے ماخوذ ہیں۔ نیز ان کتابوں کو چونکہ فنی نقطۂ نظر سے ترتیب دیا گیا ہے لہٰذا یا تو درسگاہوں سے وابستہ اساتذۂ کرام کے مطالعے میں رہتی ہیں اور یا ٹیچرس ٹریننگ کالج کے طالب علموں کے کام آتی ہیں! اور ان میں بھی آج کے نونہال کو کل کا کارآمد شہری بنانے کے ان ہی خالص' مادّی تصورات سیکولر خیالات اور مغربی اخلاقیات کا انبار ہے! جن کے کارن ہم کہیں کے نہ رہے!

غرضکہ۔ایسی کوئی منظم پیش کش جس میں تربیت سے متعلق اسلامی فکر و نظر کے جواہر پارے ہوں، ابھی تک ناپید تھی!

زیرِ نظر کتاب اس موضوع پر پہلی تصنیف ہے۔ جسے استاد الاساتذہ حضرت آیت اللہ علامہ سید ابنِ حسن نجفی جیسے صاحب بصیرت دانشور کا قلم نصیب ہوا۔ علامہ صاحب نے نوجوان نسل کی ذہنی توانائیوں کو ہمیشہ درست سمت سے آشنا کیا ہے۔ نیز ان کی کردار سازی کے لیے نئے مذہبی سانچے مہیا فرمائے ہیں اور یہی ممدوح کی زندگی کا منتہائے مقصود ہے۔ ربّ کریم آپ کے توفیقات میں اضافہ فرمائے اور جناب کے مساعی بار آور ہوں۔

ادارۂ تمدن اسلام ۔ مسئلۂ خمس جیسے مرقع دانش کی اشاعت کا فخر حاصل کر چکا ہے اور خدا کے فضل و کرم سے اب اس علمی مرکز کو "اصول تربیت" شائع کرنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے!

یہ تحریر بھی بالکل منفرد۔ انتہائی جامع اور حد درجہ سود مند دفتر حکمت ہے۔ اللہ کرے ہماری محنت سوارت اور اس کوشش کو بھی پہلے کے مساعی کی طرح قبولِ عام نصیب ہو۔

ادارۂ تمدن اسلام۔ کراچی

بات یہاں سے شروع ہوتی ہے

ہر قوم ترقّی کی راہ دیکھتی ہے۔ ہر ملّت سکون کی طالب ہے، اور ہر امّت سکھ چین سے رہنے کی آرزو مند! سب کی طرح مسلمان بھی یہی چاہتے ہیں کہ عزّت و آبرو کے ساتھ انھیں بھی امن و کامرانی اور اطمینان وشادمانی کی زندگی نصیب ہو۔

خیر! سر دست اور قوموں کی طلب و رسد کا جائزہ ہمارے دائرہ کار سے باہر ہے۔ اس وقت ہم صرف عالمِ اسلام کی بات لے کر بیٹھے ہیں اور فعلاً یہی توجہ کا مرکز ہے البتہ پہلے مختصر طور پر ہی سہی۔ مگر ان دو چیزوں سے آگاہی ضروری ہے

ایک تو یہ کہ "قوم" و "ملّت" کا مطلب کیا ہے؟ اور دوسرے یہ کہ انفرادی اور اجتماعی نقطۂ نگاہ سے دشتِ تمنا میں بہار کیوں کر آتی ہے؟

قوم کے بارے میں عمرانیات (Sociology) پر قلم اُٹھانے والے لکھتے ہیں کہ "انسانی نوع کی ایک ایسی ٹکڑی یا برادری جو مشترک ورثے۔ ایک جیسی روایات۔ ایک طرز کی تہذیب۔ ایک رنگ کی تاریخ اور ایک ڈھب کی معیشت کے باعث ایک لڑی میں پروئی ہوئی ہو۔ اس کے علاوہ زمین کے کسی خاص خطّے پر ایک "مخصوص حکومت" کے سائے میں زندگی بسر کرنے کی خواہش بھی رکھتی ہو۔ وہ قوم کہلاتی ہے اور اس کے افراد قوم پرستی سے ہر قسم کی سدھار اور ہمہ جہتی ترقی کی آس لگائے رہتے ہیں۔ ان کا گمان ہے کہ جس دن قومیّت پر نکھار آیا، بس! اسی دن سارے دلدّر دور، اور "جنگل میں منگل" کا سماں بندھ جائے گا!

لیکن! اس سلسلے میں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کے گروہ کو قوم کے بجائے ملّت یا امّت کا نام دیتا ہے[1]۔ اور ساتھ ساتھ وہ ملّت

---

[1] کلام پاک میں "قوم" کا لفظ بھی بار بار آیا ہے۔ مگر جہاں مسلمانوں کی "ہیئت اجتماعی" کا تعارف مقصود ہے، وہاں قرآن حکیم نے ملّت یا اُمّت کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ چنانچہ، سورۂ حج کی اٹھتّرویں آیت میں ارشاد ہوتا ہے: "یہ تمہارے باپ ابراہیم کی "ملّت" ہے۔ پہلے کی کتابوں میں بھی اللہ نے تمھیں مسلمان کا نام دیا تھا، اور قرآن میں بھی تمہارا یہی نام ہے"۔

نیز سورۂ بقرہ کی ایک سو تینتالیسویں آیت میں یوں رہنمائی کی جاتی ہے: "مسلمانو! اسی طرح ہم نے تمہیں ایک "اُمّت وسط" قرار دیا ہے، تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو"۔

اور امت کے خصائص و امتیازات کو بھی قوم (Nation) کے مشہور و معروف تصوّر سے ہٹ کر بیان کرتا ہے۔ ان اَوصاف کی تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ فرزندان قرآن کے طرزِ تفکّر اور زندگی کے اغراض و مقاصد، دوسروں کی سوچ اور آدرش سے بالکل میل نہیں کھاتے۔!

دینِ حنیف نہ تو اصل و نسل پر "ملیّت" کی "بنیاد" رکھتا ہے۔ نہ رنگ و نژاد کو اس کی "اساس" قرار دیتا ہے۔ اس میں رسم و روایت سے بھی "نیو" کا کام نہیں لیا جاتا اور زبان کے رشتوں کے ساتھ تہذیب کے ناتوں کو بھی "سنگ نہاد" کی جگہ نہیں دی جاتی اِسلام کے سامنے تاریخ و جغرافیہ کا "نقشہ بھی کبھی نہیں جما" اور یہاں سیاست و ریاست کے حدود و قیود بھی ہمیشہ "غیر معتبر" سمجھے گئے۔!

نیز قرآن حکیم ہمیں یہ بتاتا ہے کہ "دینِ توحید" ایک عالمی نظریّہ ہے۔ اس کے اغراض و غایات بھی آفاق گیر ہیں۔ جو لوگ اس کے دامن سے وابستہ ہیں، انھیں یہ زندگی کے ایک مکمّل لائحہ عمل سے نوازتا ہے، اور پھر یہ پابندی بھی عائد کرتا ہے، کہ ملّت کا ہر فرد اپنے ذہن۔ نفسیات۔ معیار۔ اقدار اور نصب العین کو احکامِ خداوندی کے مطابق قرار دے۔

نیز وہ کسی حال میں بھی یہ ڈھیل دینے کو تیار نہیں کہ اس کی تعلیمات کے کسی رُخ پر بیرونی اثر و خیال کی پرچھائیں تک پڑے۔

کلام پاک کا اصرار ہے کہ بس! دین ہی فکر کا اثاثہ ہے۔ متاعِ دید ہے۔ قوّتِ محرّکہ ہے۔ منتہائے مقصود ہے اور سرچشمہ عمل ہے۔

نیز اسی عقیدے (Ideology) سے جو فانوس روشن ہوتے ہیں۔ جو رنگ گردش میں آتے ہیں۔ جو ذوق ابھرتا ہے۔ جو لطافت نمود کرتی ہے۔ اور پھر جو نقش و نگار وجود میں آتے ہیں۔ ان ہی کی آب و تاب سے وہ فرہنگ تشکیل پاتا ہے۔ جسے زمانہ اسلامی تہذیب اور ثقافت اسلامیہ کے نام سے یاد کرتا ہے۔

اب اسلام کے مزاج، اس کی تہذیب، تمدن اور احکام سب کا تقاضا یہ ہے کہ سیاست کے قاعدے ہوں یا ریاست کے آداب، معیشت کے ضابطے ہوں یا معاشرت کے اطوار، تعلیم کا نہج ہو یا تربیت کا طریق کار، الغرض! حیات بشری کے ہر شعبے کو اسلام کے متحرک اور انقلاب پرور نظام کے تابع ہونا چاہیئے۔!

علاوہ ازایں، اقبال وادبار۔ عروج وزوال۔ ترقی و واماندگی نیز مسرت و حرماں نصیبی کے سلسلے میں بھی "دین خدا" کا اپنا مخصوص فلسفہ ہے۔ جو ہمیشہ یاد دلاتا رہتا ہے کہ "امت مسلمہ" جب تک اپنی رفتار و گفتار کو اپنے ذہن وضمیر کے ساتھ قرآن کے سانچے میں نہیں ڈھالے گی، نیز "خود شناسی اور خداشناسی" جیسے اوصاف حمیدہ کو نہیں اپنائے گی ——— اس وقت تک نہ تو کسی قسم کی پیش رفت اس سے منسوب ہوگی، نہ تاریخ اس کے لیے اپنے دامن میں کوئی جگہ بنائے گی۔

اور پھر ع

عاقبت کی خبر خدا جانے!

دیکھئے! قرآن حکیم نے بگڑی ہوئی قوموں اور زوال پذیر معاشروں کے متعلق سنت الہیہ کا یوں اعلان فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَہٗ ۚ وَمَا لَہُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّالٍ ○	خداوند عالم کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا، جب تک وہ خود اپنے آپ کو اندر سے نہیں بدل دیتی، اور جب اللہ کسی کی شامت لانے کا فیصلہ کرلے تو پھر وہ کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی اور نہ اُس کے مقابلے میں ایسی قوم کا کوئی حامی ومددگار ہے

——— سورۂ رعد۔ آیت: ۱۱

الطاف حسین حالی نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے۔ ان کا یہ شعر خاصا مشہور ومقبول ہے ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اور سورۂ انفال میں پروردگارِ عالم ارشاد فرماتا ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی	...... خدا اس وقت تک کسی قوم کو اپنی نعمتوں سے محروم نہیں کرتا جب

يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○

تک کہ وہ اپنی صحیح فکر و روش کو نہیں بدل ڈالتی، اور اللہ سب کچھ سُننے اور جاننے والا ہے۔

——— آیت: ۵۳

بہر حال! جب کوئی معاشرہ یا اس سے وابستہ افراد اپنے "مکتبِ فکر و عمل" سے دوری اختیار کر لیتے ہیں تو اس کے بعد اور تو اور وہ اپنی اصلی سوچ اور حقیقی پہچان بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ نتیجۃً اس قسم کے لوگوں کے پاس کوئی قابلِ ذکر چیز باقی نہیں رہتی۔!

ان کے نگار خانۂ زندگی کے سارے رنگ اڑ جاتے ہیں۔ تمام رنقیں دشتِ وحشت بن جاتی ہیں۔ اور تاریخِ انسانی بتاتی ہے کہ جب نوبت یہاں تک پہونچ جائے تو پھر گزرگاہِ خیال میں سرتاسر ایک "ہُو کا" عالم نظر آتا ہے۔!

نیز ـــ یہ کیفیت، بڑی دیرپا۔ نہایت کرب انگیز اور خاصی عبرتناک ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں حکیمِ الٰہی اور ایوانِ ہستی کے مردِ نا متناہی امیر المؤمنین علی ابنِ ابی طالب علیہ السّلام نے دنیا کو جس حقیقت سے باخبر فرمایا ہے، وہ بھی سُن لیجیے، اور ذوقِ آگہی کو دعوت دیجیے کہ اس کے ہر لفظ کو کلیجے سے لگا کر رکھے۔

حضرتؑ ارشاد فرماتے ہیں :—

إِذَا أَقْبَلَتِ الدُّنْيَا عَلَىٰ أَحَدٍ أَعَارَتْهُ مَحَاسِنَ غَيْرِهِ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ عَنْهُ سَلَبَتْهُ مَحَاسِنَ نَفْسِهِ ۔	جب اس دنیا میں کسی کو اوج و عروج نصیب ہوتا ہے، تو دوسروں کی خوبیاں بھی اس کا طرّۂ دستار بن جاتی ہیں، لیکن جب یہ دنیا کسی سے منہ موڑلیتی ہے اور بُری گھڑی آپہونچتی ہے تو اس کے ذاتی اَوصاف کا ذخیرہ بھی لُوٹ میں چلا جاتا ہے۔

—— نہج البلاغہ ۔ شرح و تقدیم: ڈاکٹر صبحی صالح صفحہ ۴۷۰ ۔ مطبوعہ، بیروت ۔

اچھا ! آیئے ! اس منزل پر ذرا ہم اپنا احتساب بھی کرتے چلیں ۔ گزرے دور پر ایک نظر ڈالیں، موجودہ زمانے کا جائزہ لیں، اور پھر جو ہوا اور جو ہے، اسے سامنے رکھ کر آیندہ پر تھوڑی سی توجّہ دیں ۔ کیونکہ یہ صرف ہماری ذات سے تعلق رکھنے والی بات نہیں، بلکہ یہ ہماری اولاد، ہمارے "دل کے ٹکڑوں اور اس سے بڑھ کر ہماری پوری نسل کی قسمت کا مسئلہ ہے ۔

ہمارے "نونہال" ہی ہمارا متاعِ عزیز ہیں —— یہی ہمارے وارث ہیں، ہماری تاریخ کے امین ۔ ہمارے فلسفۂ حیات کے محافظ، ہماری ثقافت کے نگہبان ۔ ہمارے اسلاف کی قربانیوں اور ان کے قابلِ فخر کارناموں کے پاسبان اور اس کے ساتھ یہ ایک باوقار، خوش نہاد اور تابناک مستقبل کی امید بھی ہیں ۔

لہٰذا پوری سچائی اور خلوص سے یہ معلوم کرنا ہمارا فرض عین ہے کہ ہم سب اپنی اپنی ذمہ داریوں اور اپنے بچوں کی زندگی کے سلسلے میں قرار واقعی انصاف سے کام لے رہے ہیں یا نہیں —؟

اور یہ جاننے کے لیے کم از کم ان حقائق پر غور کرنا بے حد ضروری ہے۔

۱— ہم اپنی اولاد کے حقوق سے واقف ہیں —— ؟

۲— سرپرست کی حیثیت سے ہم اپنے فرائض منصبی کا ادراک رکھتے ہیں —؟

۳— زندگی کی مادی سہولتوں کے ہمراہ ہمیں اپنے بچوں کے لیے کچھ معنوی قدریں بھی فراہم کرنے کی توفیق نصیب ہوئی —— ؟

۴— ہم اپنی اولاد کو جس رویّے اور روایات کا ورثہ دے رہے ہیں، کبھی ہم نے اسے جانچنے، پرکھنے کی کوشش کی ہے ؟

۵— خوشحالی کی تمناؤں کے ساتھ ہم نے اپنے بچوں میں خود اعتمادی اور بلند خیالی پیدا کرنے کا بھی انتظام کیا ہے ؟

۶— قدرت نے ہمیں اپنے نونہالوں کو پالنے، پوسنے کی جو ذمہ داری سونپی ہے۔ اس کو جہاں پورا کیا جا رہا ہے، وہاں کا ماحول تربیت پانے والوں کے لیے سازگار ہے —؟

۷— تعلیم اور تربیت میں کوئی کوتاہی تو نہیں ہو رہی ہے —؟

۸— کردار سازی کے تمام تقاضے پورے کیئے جا رہے ہیں —؟

۹— ہم بچوں میں وہ ذہن پیدا کر رہے ہیں جو ان اصول حیات کو شوق اور

جذبے سے قبول کرلے جو اللہ کی کتاب اور معصوٗمین کی سنّت و سیرت سے ماخوذ ہیں ــ؟

یہ سب باتیں" اسلام کے فلسفۂ تربیت" سے تعلّق رکھتی ہیں۔ ان کا اطمینان بخش جواب حاصل ہو تو موضوع کا گوشہ گوشہ نکھر جائے، اور پھر شاید کوئی تازہ خیال جاگ اُٹھے، اچھوتا سا احساس جگمگانے لگے، دل کی کلی کِھلے، ذہن کی گرہ کھلے، لہجے کو صراحت میسّر ہو، کوئی نئی راہ دکھائی دے، اور اس عنوان سے ایک جنّتِ نگاہ اور حیات بداماں منزل کی تلاش آسان ہو جائے۔ نیز ہمارا "شہر آرزو" بھی روشنیوں سے جگر جگر کرنے لگے ـــــ!

دیکھئے! اسلام۔ امن و ہدایت کا پیامی ـــــ خیر و عافیت کا خواستگار ـــــ انسان کی عزّت و احترام کا حامی ـــــ اور فرزندانِ آدم کی ہمہ جہتی صلاح و فلاح کا علمبردار ہے۔

اس دین کا مقصد ہی یہ ہے کہ دنیا کے ہر آدمی کو قرار ملے اور جو اللہ کا ہو کر رہ جائے۔ پھر اس کے لیے تو یہ چاہتا ہے کہ یہاں بھی اسے قدم قدم ہر طرح کی راحت نصیب ہو، اور وہاں بھی نفس نفس رحمتِ ایزدی سے سرشار رہے۔!

جو لوگ دونوں جہاں پر یقین رکھتے ہیں، قرآن حکیم انھیں یہ فکر دیتا ہے کہ وہ ہر لحہ خدا سے یوں التجا کرتے رہیں۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً، پالنے والے! دنیا میں بھی تو ہمیں "خیر" سے نواز ـــــ اور آخرت میں بھی ہمیں "خیر" سے ہمکنار فرما،

ـــــ(البقرہ ۲۔ آیت: ۲۰۱)

یہ حقیقت ہے کہ اس التجا کے دامن میں ایک مردِ مومن کی تمام خواہشوں کا جوہر مستور ہے۔ نیز "عرضِ تمنّا" کے لیے اس سے بڑی بات اور ہے بھی کیا ــــ؟

مگر، پھر یہ سوال اُٹھتا ہے، کہ وہ دینے والا کیا چھپّر پھاڑ کر دیتا ہے؟ بیٹھے بیٹھے، سارے ارمان نکل جاتے ہیں ــــ؟

اس کا جواب بڑا واضح ہے۔ غور فرمایئے! جس نظام فکر و عمل نے اس طرح کا نظریہ دیا ہو کہ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔"

ــــــــــــ النجم ۵۳۔ آیت: ۳۹

اس کے حدود میں حسرتوں کے سہارے کچھ حاصل کرنے کا خیال، تو محض ایک خواب ہے۔ حصول مقصد کے لیے جدّ وجہد فرض ہے اور ہدف تک پہونچنے کے واسطے راہ و منزل کی تلاش بھی مقرّرہ اسلوب ہی سے ممکن ہے اور یہ اسلوب بھی مذہب ہی بتاتا ہے، اس کی تفصیل کو پیشِ نگاہ رکھنا ہر حال میں ضروری ہے۔

اس سلسلے میں اسلام نے ایک خاص نقطۂ نظر دیا ہے اور عمل کے راستے بھی بتائے ہیں۔ اچھّا کیا ہے؟ بُرا کسے کہتے ہیں؟ فائدہ کس میں ہے؟ نقصان کیوں ہوتا ہے؟ خیر کی جانچ کس طرح کی جائے؟ شر کو پرکھنے کا کیا ذریعہ ہے؟

پھر ــــ نیکیاں کن وسیلوں سے حاصل کی جائیں؟ نیز برائیوں سے خود کو محفوظ رکھنے کی کیا تدبیر ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

اسلامی ادب میں یہ تمام باتیں بڑے دل نشین انداز سے بیان کی گئی

ہیں ـــ اور تربیت کا مسئلہ چونکہ انسانی زندگی کی ایک بنیادی ضرورت ہے ، بنابریں اس پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔

یہ ٹھیک ہے! کہ حکماء ، فلاسفہ اور علمائے اخلاق نے بھی زیر بحث عنوان کے سلسلے میں خاصی دماغ سوزی کی ہے، اور انہوں نے اس موضوع پر جی کھول کر روشنی بھی ڈالی ہے۔ مگر وہ بات کہاں جو مذہب کے آئین ہدایت اور خصوصاً اسلام کی فکری قیادت میں ہے!

حقیقت یہ کہ فلسفی یا حکیم صرف دنیوی خوش حالی اور مادّی کامیابیوں کے حوالے سے نظریاتی گفتگو کرتے ہیں۔ ان کے ہاں نہ تو عالم آخرت کا اور نہ آخرت کی بھلائی کا کوئی تصور ہوتا ہے۔ ذاتی طور پر براہ راست وہ عوام الناس سے بھی کوئی سروکار نہیں رکھتے!

ہاں! مانا کہ ان دانشوروں کی کتابوں میں بہت کچھ ملتا ہے۔ لیکن جو کچھ ملتا ہے وہ تو دماغوں کو شکوک وشبہات کی آماجگاہ بنا کر رکھ دیتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک مفکّر جو بات کہتا ہے، وہ کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو مگر اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے کوئی نمونہ (Pattern) یا مثال (Example) نہیں ملتی!

نتیجتاً ایک فلسفی کے اندیشہ ہائے دور و دراز یا تو چند باخبر حضرات کے صفحۂ ذہن پر نقش ہوتے ہیں اور یا الماریوں میں سجی ہوئی کتابوں میں بند رہتے ہیں۔ لہٰذا عوامی پیمانے پر کبھی برتنے کی چیز نہیں بن پاتے!

برخلاف اس کے ادیان سماوی کی ہدایتوں نیز اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں

اوراس کے مقرر کردہ رہنماؤں کے ارشادات میں ایک معجزانہ شان پائی جاتی ہے۔

خاصان خدا کی ہدایتوں میں جامعیت، زبان میں دلوں کو تسخیر کرنے کی قوت اور ان کی آواز میں دور دور تک اپنا اثر دکھانے کی طاقت ہوتی ہے!

پھر اللہ کا ہر فرستادہ بغیر کسی واسطے کے ہر انسان سے مخاطب ہوتا ہے اور جو کچھ کہتا ہے اسے جامۂ عمل بھی پہناتا ہے!

سرکارِ ختم المرسلینؐ نے پردوں کے پیچھے سے اور صنعت ایہام میں کبھی گفتگو نہیں فرمائی۔ حضورؐ جو ارشاد فرماتے تھے وہ مجمع عام، اور اس زبان میں جسے ہر آدمی آسانی سے سمجھ لیتا تھا اور مدعا تک پہونچنے میں کسی کو، کوئی دقت نہیں پیش آتی تھی!

رحمۃ للعالمینؐ کے ہر ارشاد میں چودھویں کے چاند جیسی روشنی اور مسکراتے ہوئے پھولوں کی سی لطافت ہوتی تھی ! مزید یہ کہ حضورؐ جو فرماتے تھے اسے کرکے بھی دکھادیتے تھے۔ اور آپ کا یہی "اسوۂ حسنہ" *Excellent pattern* ہے، جسے قرآن حکیم نے سرمشق حیات قرار دینے کا حکم دیا ہے۔

اسی طرح سرورِ کونین کے لائے ہوئے کامیاب انقلاب کے سراپا اخلاص شرکا، نیز اس فکر انگیز اور حیات آفرین انقلاب کی روح کو باقی رکھنے کے لیے محرابِ خم شمشیر" میں یا "پس دیوار زنداں مشغولِ حق رہنے والے آپ کے اہل بیت اطہارؑ کی "نور و نکہت" سے بھرپور سیرت بھی آنحضرتؐ کے مجموعۂ گفتار و کردار کی جیتی جاگتی تصویر، اور ربانی ہوئی خدا پسند شرح و تفسیر ہے۔

چنانچہ، قرآن۔ اِسلام اور اس نظامِ زندگی کے حقیقی رہنماؤں نے اولاد کی تعلیم و تربیت اور نوخیز نسل کی "پرورش و پرداخت" کے جو اصول و قواعد مرحمت فرمائے ہیں، وہ روشن ذہن، اچھے اخلاق، اُجلے کردار، اور عمدہ اطوار کی نشو و نما کے لیے آبِ حیات کی خاصیت رکھتے ہیں۔

ان تعلیمات کو اپنانے میں ایک طرف تو آسانی بہت ہے۔ اور دوسری جانب انھیں اپنی عملی زندگی میں شامل کرنے سے کامیابی یقینی ہے۔

حرفِ حق

کون نہیں جانتا کہ اولاد پر "ماں باپ" کا بڑا حق ہے۔ ہاں! ہاں! کوئی ایک حق؟ والدین کو تو بہت سے حقوق حاصل ہیں اور جو اس سچائی کو نہ مانے وہ مسلمان تو درکنار انسان بھی کہلانے کے قابل نہیں۔!

قرآن حکیم نے کوئی بارہ [12] مقامات پر نہایت صاف لفظوں اور بڑے زوردار طریقے سے فرزندانِ آدم کو اپنے "ماں باپ" کے لیے بہت سنبھلا ہوا، حد درجہ معیاری اور مثالی روّیہ اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

دو[۲] آیتوں میں تو حکمِ عام ہے۔ ایک سورۂ عنکبوت میں جو قرآن شریف کا انتیسواں[۲۹] سورہ ہے اور دوسرا فرمان سورۂ احقاف میں ہے۔ یہ کلام پاک کا چھیالیسواں سورہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

۱۔ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا ؕ — اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔

—— عنکبوت[۲۹]: آیت: ۸

۲۔ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسَانًا ؕ — اور ہم نے آدمی پر یہ فرض عائد کیا ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرے۔

—— احقاف[۴۶]: آیت: ۱۵

مگر سورۂ بقرہ میں خداوند عالم نے اپنی عبادت کے ساتھ والدین کے لیے حسن سلوک کو —— "معاہدۂ عمرانی" (Social Contract) کا ایک جزو قرار دیا ہے۔ اچنانچہ بنی اسرائیل کے حوالے سے حدود مملکتِ الٰہیہ میں رہنے والے تمام مُکلّف افراد کو یہ آئینی حقیقت اس طرح یاد دلائی جارہی ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا — اور ہم نے جب فرزندان اسرائیل سے عہد لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔

—— بقرہ[۲]: آیت: ۸۳

اسی طرح آفریدگار مطلق نے سورۂ نسار کی ایک آیۂ مبارکہ میں فرضِ بندگی اور عقیدۂ توحید کے دوش بدوش، والدین کی تعظیم و تکریم کو اسلام کے "نظام شریعت" (Legislation) میں اوّلیت عنایت فرمائی ہے اور ان لفظوں میں ہماری رہنمائی کی گئی ہے۔

۳۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

خدا کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، اور اچھے طریقے سے اپنے ماں باپ کی خدمت بجالاؤ۔

سورہ النسآء آیت: ۳۶

سورۂ انعام میں بھی شرک کی ممانعت کرتے ہوئے والدین کے لیے بہتر سے بہتر روش کے اظہار پر زور دیا گیا ہے۔ بلکہ آیۂ وافی ہدایہ نے جس طرح شرک کو آئین کی خلاف ورزی سے تعبیر کیا ہے۔ اسی عنوان سے بچّوں کے لیے اپنے "ماں باپ" کے ساتھ ناشائستہ رفتار اختیار کرنے کو بھی اسلام کے اساسی عقیدے کے منافی قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے،

۴۔ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

اے رسولؐ! لوگوں سے کہہ دو۔ کہ آؤ! میں تمھیں وہ سب پڑھ کر سناتا ہوں، جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ (ایک تو یہ) کہ کسی کو خدا کا شریک نہ بنانا (دوسرے یہ کہ اپنے والدین کے ساتھ (برائی نہ کرنا) ہمیشہ اچھائی سے پیش آنا۔

انعام۔ آیت: ۱۵۲

اس کے علاوہ قرآن کے سترہویں[1] سورے میں بھی معبودِ مطلق نے اپنی وحدانیّت کے اقرار کے ساتھ "ماں باپ" کے حق میں اولاد کے لیے نیک اور مثالی روّیہ اپنانے کو دین کے ایک بنیادی نظریّے کی حیثیّت عطا کی ہے۔ فرمانِ الٰہی یوں ہے۔

۵۔ وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ	تمہارے ربّ کا حکم محکم یہ ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو اور "ماں باپ" کے ساتھ نیکی کرتے رہو۔

— سورۂ بنی اسرائیل[1] : آیت : ۲۳

نیز سورۂ لقمان میں تو والدین کی عظمت آسمانوں سے بھی زیادہ اُونچی کر کے دکھائی گئی ہے۔ چنانچہ وجوب شکرِ مُنعم کے معاملے میں اللہ نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ لوگو! صرف میری بارگاہِ کرم میں "رہینِ منّت" ہونے کا اظہار کافی نہیں! بلکہ میرے حکم اور تمہارے ضمیر کی شرافت کا تقاضہ یہ ہے کہ تم اپنے "ماں باپ" کی خدمت میں بھی "ممنونِ احسان" ہونے کا اعتراف کرتے رہو۔

---

[1] امریکہ کا نظامِ حکومت بے شمار مفاسد کا مجموعہ ہے۔ مگر یہ پہلو خاصا فکر انگیز ہے کہ دنیا کے نقشے پر وہی ایک ملک ہے جہاں سرکاری طور پر —— THANKS GIVING-DAY —— "یومِ تشکّر" منایا جاتا ہے۔ کاش! ان کی برائیوں پر مرمٹنے والے ان کی اس ایک اچھائی کو بھی اپنی زندگی میں شامل کر لیتے ——!

نجفی ——————

چنانچہ آیۂ مبارکہ اس طرح ہمارے ذہن کی رہبری کرتی ہے۔

۶۔ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ○

اور ہم نے انسان کو جس کے لیے اس کی ماں نے جب وہ "پیٹ سے" تھی دُکھ پر دکھ جھیلے، دودھ پلایا، دو برس بعد اس کی دودھ بڑھائی کی، یہ ہدایات دی ہیں۔ کہ ہمارا شکر ادا کرو اور ساتھ ہی ساتھ اپنے والدین کا بھی شکر بجالاؤ ــــ آخر سب کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

ـــــ سورہ لقمان ۳۱ ۔ آیت: ۱۴

پھر سورۂ مریم میں دو مقامات پر والدین یا والدہ کے لیے خوش رفتاری اور اطاعت شعاری کو انبیائے کرام کی مثالی خوبیوں کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ جناب یحییٰ ابن زکریا کے "ماں باپ" دونوں تھے۔ لہٰذا ان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

۷۔ يَا يَحْيَىٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ ۖ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ○ وَحَنَانًا مِنْ لَدُنَّا وَزَكَاةً ۖ وَكَانَ تَقِيًّا ○ وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ

اے یحییٰ! لو، اس کتاب کو مضبوطی سے تھامو۔ ہم نے انھیں بچپن ہی میں نبوّت عطا کردی تھی اور (اپنی مرحمت خاص کے ذریعے) نرم دلی اور پاکیزگی بھی عنایت کی تھی۔ نیز وہ خود

وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝

بھی پرہیزگار، اور اپنے والدین کے حق میں بڑے سعادت مند تھے، سرکش اور نافرمان نہیں تھے۔

——— سورۂ مریم ۱۹ آیت: ۱۲-۱۳-۱۴

اور حضرت عیسیٰؑ کی چونکہ صرف والدۂ ماجدہ تھیں، بنابریں ان کے متعلق خود ان ہی کی زبانی یوں بیان کیا جاتا ہے: ———

۸۔ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ ۖ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۝ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَوٰةِ وَالزَّكَوٰةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي ۫ وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ۝

(جھولے میں پڑے ہوئے بچے عیسیٰ نے کہا) میں خدا کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی ہے، نبی بنایا ہے۔ میں جہاں اور جس حال میں ہوں اللہ نے مجھے بابرکت قرار دیا ہے۔ نیز جب تک زندہ ہوں اس نے نماز و زکوٰۃ ادا کرنے کی بھی ہدایت فرمائی ہے۔ ہاں! اس پاک پروردگار نے مجھے اپنی والدہ کا سراپا اطاعت فرزند بنایا، نیز اس نے مجھے سرتاب اور بدنصیب ہونے سے محفوظ رکھا۔

——— سورہ مریم ۱۹ - آیت: ۳۰-۳۱-۳۲

نیز جو لوگ مالی تعاون کے حقدار قرار دیئے گئے ہیں، ان کی تفصیل بتاتے

ہوئے قرآن مجید نے والدین کی اقتصادی خدمت کی بات کو سرفہرست جگہ دی

ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:—

۹۔ یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَ الْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ○	اے رسولؐ! تم سے لوگ دریافت کرتے ہیں کہ وہ کیا اور کس طرح خرچ کریں؟ ان سے کہہ دو کہ تم خیر سے جو نکالو، وہ تمہارے ماں باپ عزیز اقربا، یتیموں، مسکینوں اور پردیسیوں کو ملنا چاہیے۔ نیز تم جو اچھا کام انجام دو گے اللہ اس سے باخبر ہوگا۔

——— سورہ بقرہ آیت ۲۱۵

حضرت نوح علیہ السّلام "ماں باپ" سے اپنی والہانہ محبّت اور عقیدت کا جس طرح اظہار کرتے ہیں، اسی جذبے کے ساتھ ان کے وہ رسیلے بول بھی قرآن کا حصّہ بن جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے:۔

۱۰۔ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ	یا اللہ! تو مجھے اور میرے اماں ابا کو اپنے دامن رحمت میں جگہ دے دے۔

——— سورہ نوحؑ۔ آیت: ۲۸

پھر خدا کے دوست جناب ابراھیم علیہ السّلام کو دیکھئے! کس چونپ سے دُعا

کے لیے ہاتھ اُٹھائے اپنے رب کی بارگاہ میں عرض پرداز ہیں:—

۱۱— رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝

پالنے والے! جس دن حساب و کتاب ہو، اس روز تو مجھے میرے والدین کو اور سارے مؤمنین کو اپنی نگاہ مغفرت سے سرفراز فرمانا۔

—— سورۂ ابراہیم۔ آیت: ۴۱

پھر بات یہیں ختم نہیں ہوتی! بلکہ کلام پاک نے "ماں باپ" کے ساتھ حسن سلوک اور فرماں برداری سے وابستہ عملی قدروں کے حوالے سے کئی اور دل میں اتر جانے والی زندہ حقیقتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ نیز جو ہستیاں قرآن کریم کی مزاج داں اور انسانیت کی رہنما ہیں ان کی توضیح و تشریح سے بصیرت کے دامن میں مزید وسعت پیدا ہو جاتی ہے جس کے باعث والدین کے جملہ حقوق اور اپنے تمام فرائض کا ادراک ہر سوچنے سمجھنے والے آدمی کے دل و دماغ کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔!

ملاحظہ کیجئے! سورۂ بنی اسرائیل کی ان آیتوں کے ذریعے ہمیں حکم دیا جارہا ہے۔

۱۲— اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ۝ وَ

ماں باپ میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے سامنے بوڑھے ہو جائیں تو (ان کی خفگی پر) انھیں جھڑکنا تو درکنار خبردار! "اُف" تک نہ کرنا! اور اگر تمھیں کچھ کہنا ہو تو نہایت نرمی،

اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ۝

ملائمت اور ادب سے عرض کرنا ـــ ان کے سامنے عجز و انکساری سے جھکے رہنا۔

نیز ان کے واسطے اس انداز سے دعا مانگنا۔

پروردگارا! جیسے انھوں نے ـــــــ

(جان چھڑک کر) ہمیں پالا پوسا ـــــــ

(اس کے بدلے میں) تو بھی ان دونوں کو اپنے کرم کے سائے میں آرام کی جگہ عطا فرما دے۔

ـــ سورۂ بنی اسرائیل۔ آیت: ۲۳۔۲۴

اس ضمن میں صادق آلِ محمدؐ امام جعفر صادق علیہ السّلام اور ثامن الآئمہ حضرت امام رضا علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں: الفاظ ہمارے آٹھویں رہبر کے ہیں،

لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ لَفْظَةً اَوْجَزَ فِيْ تَرْكِ عُقُوْقِ الْوَالِدَيْنِ مِنْ اُفٍّ لَاَتٰى بِهَا۔

اولاد کے ہاتھوں "ماں باپ" کو ہر طرح کی تکلیف سے تحفظ دلوانے کے لیے اگر "اُف" سے زیادہ مختصر و جامع کوئی اور لفظ ہوتا تو وحی کے سانچے میں ڈھل کر وہی لفظ قرآنِ مجید میں جنت نگاہ قرار پاتا۔"

حوالے کے لئے ملاحظہ ہو

[الکافی۔ کلینی۔ تفسیر مجمع البیان۔ طبرسی۔ جلد۶ صفحہ ۴۰۹ تفسیر صافی۔ فیض کاشانی۔ جلد۳۔ صفحہ ۱۸۵ تفسیر المیزان علامہ طباطبائی۔ جلد ۱۳ صفحہ ۹۸۔ بیروت۔

اور آیۂ وافی ہدایہ وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ[ا] کا مطلب و مقصد بیان کرتے ہوئے سرکار صادق آلِ محمدؐ صلوات اللہ و سلامہ علیہ فرماتے ہیں۔

مَعۡنَاهُ۔ لَا تَمۡلَأۡ عَيۡنَيۡكَ مِنَ النَّظَرِ إِلَيۡهِمَا إِلَّا بِرَأۡفَةٍ وَرَحۡمَةٍ وَلَا تَرۡفَعۡ صَوۡتَكَ فَوۡقَ أَصۡوَاتِهِمَا وَلَا يَدَيۡكَ فَوۡقَ أَيۡدِيهِمَا وَلَا تَتَقَدَّمۡ قُدَّامَهُمَا۔

"یعنی! ماں باپ کو گھور کر یا دیدے نکال کر کبھی نہ دیکھنا۔ بلکہ تمہاری نظر پڑے تو یوں محسوس ہو جیسے دامنِ موجِ نگاہ میں مہر و محبّت کے پھول بھرے ہوئے ہیں۔ خیال رہے! کسی وقت بھی تمہاری آواز ان کی آواز سے اونچی نہ ہونے پائے۔ تمہارا ہاتھ ان کے ہاتھ سے زیادہ بلند نہ ہو، اور راستہ چلتے ہوئے تم اُن سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا۔"

الکافی۔ تفسیر مجمع البیان۔ جلد۶۔ صفحہ ۴۱۱۔ اور تفسیر صافی جلد۳۔ صفحہ ۱۸۵۔ بیروت۔ تفسیر المیزان۔ جلد ۱۳ صفحہ ۹۸ بیروت۔

ا عجز و انکسار اور مہر و محبت سے ان کے آگے جھکے رہو۔ (سورہ بنی اسرائیل۔ آیت: ۲۴)

ادب واحترام ہی کے سلسلے میں حضرت امام محمّد باقر علیہ السّلام کا ارشاد ہے۔

نَظَرَ أَبِیْ اِلٰی رَجُلٍ وَمَعَہٗ ابْنُہٗ یَمْشِیْ، وَالْاِبْنُ مُتَّکِئٌ عَلٰی ذِرَاعِ الْأَبِ۔ قَالَ: فَمَا کَلَّمَہٗ أَبِیْ مَقْتًا لَہٗ حَتّٰی فَارَقَ الدُّنْیَا۔

"میرے پدر بزرگوار امام زین العابدین علیہ السّلام نے ایک مرتبہ سرِراہ دو باپ بیٹوں کو کہیں جاتے ہوئے دیکھا۔ مگر صورت حال یہ تھی کہ بیٹا، باپ کے ہاتھ پر اپنا بوجھ ڈالے ہوئے راستہ طے کر رہا تھا۔ امام محمّد باقرؑ فرماتے ہیں کہ: میرے والد محترم اس لڑکے کی اس نازیبا حرکت سے اتنے آزردہ خاطر ہوئے کہ پھر زندگی بھر اس سے بات نہیں کی!"

——— مجموعۂ ورّام جلد ۲ صفحہ ۲۰۸

نیز باقر العلوم حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا۔ کہ ایک دفعہ سرکارِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے پوچھا گیا:

مَنْ اَعْظَمُ حَقًّا عَلَی الرَّجُلِ؟ قَالَ: وَالِدَاہُ۔

یعنی! آدمی پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آنحضرت نے ارشاد فرمایا: "ماں باپ" کا حق سب سے زیادہ ہے۔

——— مشکوٰۃ الانوار صفحہ ۱۵۸

اس کے علاوہ صاحبِ وما ینطق عن الھویٰ کی زبان اقدس سے نکلے ہوئے ان لفظوں میں جو حقیقت جلوہ ریز ہے۔ آیئے! اس کی رفعت و اہمیت کا بھی جائزہ لیتے چلیں، کیا عجب کہ ہمارے دل بھی آئینۂ بختِ بیدار بن جائیں!

نَظَرُ الوَلَدِ اِلیٰ وَالِدَیْہِ حُبًّا لَّھُمَا عِبَادَۃٌ۔

"سرکارِ رحمۃٌ للعالمینؐ ارشاد فرماتے ہیں: اولاد، محبّت بھری نظروں سے اپنے "ماں باپ" کو دیکھ لے تو اس کی یہ نگاہِ الفت نسب عبادت بن جاتی ہے۔

تحف العقول۔ شیخ ابنِ شعبۃ الحرّانی صفحہ ۳۸۔ بیروت

اور امام جعفر صادق علیہ السّلام کا ارشاد ہے: ــــ

عَنْ اَبِی عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامِ۔ قَالَ: مَنْ نَظَرَ اِلیٰ اَبَوَیْہِ نَظَرَ مَاقِتٍ وَھُمَا ظَالِمَانِ لَہٗ، لَمْ یَقْبَلِ اللّٰہُ صَلٰوتَہٗ۔

"اگر کسی شخص کے "ماں باپ" اس کے حق میں کوئی زیادتی کر جائیں، اور اس ضمن میں ستم رسیدہ آدمی کا ردِّعمل یہ ہو کہ وہ اپنے والدین کو شرربار آنکھوں سے دیکھ لے تو خداوندِ عالم اس کی نماز کو شرفِ قبول نہیں بخشے گا۔!

ــــ اصول کافی جلد ۲۔ صفحہ ۳۴۹

اور ساتھ ہی ساتھ حضور نبی کریم کے اس فرمان کو بھی حرزِ جاں بنا کر رکھنا چاہیے تاکہ ہمیشہ کام آئے۔!

رِضَی اللّٰہُ فِیْ رِضَی الْوَالِدَیْنِ وَ سَخَطُہٗ فِیْ سَخَطِہِمَا۔

"اللہ کی رضا والدین کی خوشی میں سموئی ہوئی ہے۔ اور اس کا قہر ماں باپ کے غیظ و غضب میں چھپا ہوا ہے"۔

مستدرک الوسائل۔ علامہ حسین نوری جلد ۲، صفحہ ۶۲۷

سرکارِ دوجہاںؐ ایک اور موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ سَرَّہٗ أَنْ یَمُدَّ لَہٗ فِیْ عُمْرِہٖ، یَبْسُطَ لَہٗ فِیْ رِزْقِہٖ، فَلْیَصِلْ اَبَوَیْہِ فَاِنَّ صِلَتَہُمَا مِنْ طَاعَۃِ اللّٰہِ۔

جو یہ چاہتا ہو کہ اس کی عمر بڑھے، اس کی روزی کشادہ ہو تو اسے اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے کیونکہ والدین کی خدمت، خدا کی عبادت میں شمار ہوتی ہے

بحار الانوار جلد ۲۷، صفحہ ۸۵

نیز حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام ذہن کو یوں راستہ دکھاتے ہیں:

مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُخَفِّفَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ عَنْہُ سَکَرَاتِ الْمَوْتِ، فَلْیَکُنْ لِقَرَابَتِہٖ وَصُوْلًا وَبِوَالِدَیْہِ بَارًّا

جو شخص جاں کنی کی سختیوں سے بچنا چاہے وہ اپنے عزیزوں اور والدین کے لیے پسندیدہ روش اختیار کرے۔

سفینۃ البحار جلد ۲ صفحہ ۸۲

اور آخر میں موضوع کی مناسبت سے "نسلِ نو" کے لیے صادقِ آلِ محمدؐ کا ایک اور فکر انگیز پیغام۔ فرماتے ہیں:

بَرُّوا آبائَکُمْ تَبَرَّکُمْ اَبْنائُکُمْ۔

"تم اپنے "ماں باپ" کے ساتھ سعادت مندی سے پیش آنے کی "ریت" ڈالو۔ تمہاری اولاد" تمہارے واسطے فرماں برادری کا مظاہرہ کرتی رہے گی!

بحار الانوار۔ علامہ مجلسی۔ جلد ۱۷، صفحہ ۱۸۴

وسائل الشیعہ جلد ۷، صفحہ ۲۱۷

اور اب فرائض!

جس طرح اولاد پر "ماں باپ" کے بہت سے حقوق ہیں۔ اسی طرح بچّوں سے متعلق "والدین" کے بھی کچھ فرائض ہیں اور اس بارے میں "قرآن وحدیث" کا خاصا بڑا ذخیرہ ہے جس سے فکر وشعور کو روشنی حاصل ہوتی ہے۔

بچّے پروردگار عالم کی بہت بڑی دین ہیں جس کے لیے ہمیں لمحہ اور نفس نفس، اللہ کی بارگاہ میں سراپا تشکر رہنا چاہیے! مگر خیال رہے کہ شکر گزاری کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بس! ہر وقت ہم "شکر" کے لفظ کو جپتے رہیں!۔ اسلام میں "شکر نعمت" کا

مقصد یہ ہے کہ پاک پروردگار نے جو چیز ہمیں عطا فرمائی ہے، اس سے ہر قسم کا انصاف کریں۔ اس کے مقابل اپنے رویّے کو ہر اعتبار سے صحیح رکھیں! تاکہ اللہ اپنے وعدے کے مطابق ہر نعمت سے نئی نئی نعمتوں کو نمو دے لے

خدا کی رحمت دیکھئے! عرصۂ دراز کے بعد جناب ابراہیمؑ خلیل اللہ کے گھر میں یکے بعد دیگرے دو چراغ روشن ہوئے۔!

ایسے موقع پر عام روش کے مطابق ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ بچوں کو بسم اللہ کے گنبد میں پالتے۔ ہتھیلی کا پھپھولا بنائے رکھتے۔! اور توقّعات کی فہرست کم از کم یہ ہوتی:

تنِ درست و دلِ شاد و طالِع فرّخ

شکوہِ وافر و ملکِ وسیع و عمرِ دراز

لیکن! جناب ابراہیم علیہ السّلام جنھوں نے سینکڑوں سال کے جمے جمائے کلدانی تمدّن کی بساط کو چٹکی سے الٹ کر پھینک دیا، اور نمرود جیسے ابھرے ہوئے، شعلہ خُو، کجکلاہ کی سیاست کو تلووں سے مسل کر رکھ دیا۔! نیز جن کے عہد آفریں اندازِ ہدایت سے دنیائے انسانی کو ایک نئی جہت ملی اور ایک بالکل اچھوتی سوچ نصیب ہوئی!۔ وہ خوب جانتے تھے کہ اولاد کی پرورش و پرداخت کے ضمن میں ان کی کیا ذمہ داریاں

لے خدا کا وعدہ ہے۔ "اگر تم شکر بجا لاؤ گے تو میں اپنے فضل و کرم کے دامن کو اور پھیلا دوں گا، لیکن اگر ناشکری کی تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔

——— سورۂ ابراہیم ۱۴ - آیت: ۷

ہیں۔ اور "شکرِ نعمت کے ساتھ بارگاہ ایزدی سے وہ اپنے فرزندوں کے لیے پہلے کیا مانگیں اور پھر اُس پالنے والے سے کن کن چیزوں کے طلبگار ہوں۔!

قرآن حکیم نے خلیلِ خدا کے محسوسات، تاثّرات نیز ان کی آرزوؤں اور التجاؤں کا یوں نقشہ کھینچا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ۝

خدا کی ستائش بجالاتا ہوں جس نے بڑی عمر میں مجھے اسمٰعیل اور اسحٰق (جیسے بیٹے) عطا کیے، اور اس میں ذرا شک نہیں کہ میرا پالنے والا دُعا سنتا ضرور ہے۔"

——— سورۂ ابراہیم ۱۴۔ آیت: ۳۹

دوسری آیت:

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ ۝

پروردگارا! میں نے اپنے کچھ بچّوں کو ایک بے آب و گیاہ وادی میں تیرے عزّت والے گھر کے پاس لا بسایا ہے، پالنہار! یہ سب اس لیے کیا ہے کہ یہ "تیرے گھر کی چھاؤں میں نماز کا نظام" قائم کریں۔ پھر گزارش یہ ہے کہ تو عوام النّاس کے دلوں کو ان کی طرف مائل کردے، اور انھیں "گل ہی

نہیں" ثمر بھی دے، تاکہ یہ تیرا شکر ادا
کرتے رہیں۔
—— سورۂ ابراہیم ۱۴- آیت: ۳۷

آیئے! اب ذرا ہم اپنے فرائض کا جائزہ لینا شروع کریں۔ اس سلسلے میں ہماری پہلی ذمّے داری تو یہ ہے کہ ہم اپنی اولاد کے لیے ہمہ جہتی تحفّظ کا اہتمام کریں۔ جسمانی نشوونما کے ساتھ ساتھ ان کی ذہنی تربیت کی جانب بھی توجہ دیں۔ تاکہ دنیا میں اچھے سے اچھے افراد کا اضافہ ہوتا رہے۔

ہوسکتا ہے اس موقع پر کسی کو یہ خیال گزرے کہ بچّوں کی دیکھ بھال کے لیے کچھ کہنے سُننے کی کیا ضرورت؟ دنیا کے متمدّن لوگ ہوں یا غیر متمدّن، سب ہی اپنے نونہالوں کو، جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں! درست —! مگر کیا، کیا جائے؟ اکثر و بیشتر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ سماجی اونچ نیچ، اقتصادی کشمکش، احساس محرومی، اپنی ذات پر عدم اعتماد، مذہب سے ناآگاہی اور سب سے بڑی بات یہ کہ خدا سے دوری کے سبب کبھی جان بوجھ کر اور گاہے انجانے میں لوگ، اولاد! جی ہاں! اولاد جیسی چیز کو بھی سیاسی، سماجی اور معاشی مصلحتوں اور یا پھر اپنی "انا" کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں!

اب ثقافت آشنا اور غیر ترقّی یافتہ معاشروں میں قدرے فرق و تفاوت ضرور نظر آتا ہے، مگر یہ تھوڑا سا اختلاف یا مغائرت بنیادی نوعیّت کی نہیں بلکہ سطحی

قسم کی ہے۔ معروضی حالات اور طریق کار کے الگ ہو جانے سے رنگ ڈھنگ بدل گیا۔ بس! مثال کے طور پر عہد جاہلیت کو لے لیجیے۔ اسلام سے پہلے عربستان میں رہنے والوں کی معاشی حالت بہت خراب تھی اور اکثر و بیشتر، مالی پریشانیوں سے اُکتا کر وہ اپنے بچوں کی جان لے لیتے تھے اور گاہے اپنے دیوتاؤں سے مراد حاصل کرنے کے لیے ان کی بھینٹ چڑھا دیا کرتے تھے!

قرآن حکیم نے "فرزند و دختر کشی" کی ممانعت کرتے ہوئے اسے بہت بڑا گناہ قرار دیا۔ نیز کلام پاک کی بلاغت دیکھیے، کہ حکم امتناعی کے ساتھ گنتی کے دو لفظوں میں عربوں کی قدیم تاریخ، اس وقت کے ان کے رسم و رواج اور اقدامِ قتل کے واقعی محرکات بھی سامنے آ گئے!

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ

فقر و افلاس کے باعث تم اپنی اولاد کو قتل نہ کرو کیونکہ تمھیں اور تمہارے ساتھ انھیں بھی رزق دینے والے ہم ہی ہیں۔

——— سورۂ انعام ۶۔ آیت: ۱۵۲

نیز سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝

تم اپنی اولاد کو ناداری کے ڈر سے موت کے گھاٹ نہ اتارو۔ انھیں روزی دینے والے ہم ہیں اور تمھیں بھی ہم ہی رزق پہونچاتے

ہیں یقین جانو انھیں جان سے مارنا بہت بڑا

گناہ ہے۔

______ سورۂ بنی اسرائیل - آیت: ۳۱

اب فرمایئے! کہ اس خون ناحق کا سبب اور ننھی ننھی جانوں کو ضایع کرنے کی حقیقی وجہ "اندیشۂ سود و زیاں" کے علاوہ اور کیا ہے؟ بچے ہوں گے تو کھائیں گے کہاں سے۔؟ اور جتنے بچے کم ہوں گے، اتنی روٹیوں کی بچت ہوگی۔!

بنابریں، اس انداز سے سوچنے والوں کو یہ کہہ کر "مشقِ ستم" کرنے سے منع کیا گیا کہ نہوت کے کارن اپنے بچوں کی ہتّیا نہ کرو۔ دیکھو! جس طرح ہم تمھیں پال رہے ہیں اسی طرح ہم تمہاری آل اولاد کے لیے بھی جینے کا سامان مہیا کرنے کے ذمے دار ہیں۔

اچھا! اس موقع پر یہ تصریح ضروری ہے کہ عربوں کے حوالے سے یہ ایک بے بنیاد سی بات مشہور کر دی گئی ہے کہ عہدِ جاہلیت کا سماج فرطِ حمیت سے اور یا نا قابل برداشت بارِ گراں جان کر صرف لڑکیوں کو زندگی کے حق سے محروم کر دیتا تھا اور اس کے برخلاف لڑکوں کو ان کے معاشرے میں خدا کی رحمت سمجھا جاتا تھا!

حقیقت یہ کہ بچوں کا خون کرنے پر پابندی سے متعلق جو آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ ان میں اولاد کا لفظ آیا ہے اور "تازی زبان" کے لحاظ سے اس لفظ میں لڑکا اور لڑکی دونوں کا مفہوم شامل ہے۔ اسی بنا پر ہمارے دور کے سب سے بڑے مفسر علامہ فہامہ سیّد محمد حسین طباطبائی تحریر فرماتے ہیں:

واما الآية التي نحن فيها و اترابها فانّها تنهىٰ عن قتل الاولاد خشية
إملاق، ولا موجب لحمل الاولاد على البنات مع كونه اعمّ.

"اس آیۂ وافی ہدایہ اور اس عنوان کی دوسری آیتوں کے
ذریعے تنگدستی اور افلاس کے خوف سے قتل اولاد
کی ممانعت کی گئی ہے اور لفظ اولاد میں چونکہ عمومیّت
ہے لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ اس لفظ سے محض لڑکیاں مراد لی
جائیں ۔"

المیزان فی تفسیر القرآن جلد ۱۳۔ صفحہ ۸۵۔ بیروت

اس کے علاوہ پرانے عربوں کی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے ۔ حوالے کے لیے ہمارے سامنے بہت سے قدیم مدارک موجود ہیں اور اس صدی کی دو مشہور و مقبول تحریریں۔ یعنی اسیرۃ النبیؐ۔ جلد ششم (صفحہ ۲۲۹) جس کی تکمیل علامہ سید سلیمان ندوی نے کی ہے اور ڈاکٹر حسین حاج حسن کی عالمانہ کاوش، نقد الحدیث (جلد ۱ صفحہ ۴۴) بھی کھلی رکھی ہے ۔ ان میں جزیرہ نمائے عرب کی اقتصادی حالت اور وہاں کے رسم و رواج پر جو تبصرہ کیا گیا ہے اس سے ہمارے مضمون کی تائید ہوتی ہے ۔

سچّی بات یہ کہ، وہ عرب جو زمینی پیداوار۔ پرورش حیوانات ۔ گھریلو صنعت تجارت ۔ حمل و نقل کے کاروبار (Transport) اور یا پھر لوٹ مار، رہزنی قزاقی وغیرہ کے ذریعے نسبتاً خوشحال تھے وہ تو افرادی قوت سمجھ کر بیٹوں کو پالتے پوستے تھے ۔ لیکن دنیا کے ہر حصّے کی طرح وہاں کی بھی اکثر آبادی فاقہ کش اور غربت کی ماری

ہوئی تھی۔ چنانچہ جو لوگ بالکل تہی داماں تھے وہ یہ سوچ کر کہ اپنے ہی جینے کے لالے پڑے ہوئے ہیں! بچوں کا بوجھ کون اٹھائے گا؟ ہاں! ہاں! بچے کلیجے کا سکھ اور دل کا قرار سہی! مگر "بھٹ جائے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان"۔ لہٰذا مفلس کی بجھی بجھی آنکھوں جیسے بے رونق صحرا میں وہ اپنے جیتے جاگتے نونہالوں کی چھوٹی چھوٹی سی قبریں بنادیتے تھے!

قرآن حکیم نے ان کی اسی ذہنی بے مائیگی اور سنگ دلی کی جانب توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ	یقیناً وہ لوگ گھاٹے میں رہے جنہوں نے جہل و نادانی کے سبب بے سوچے سمجھے اپنی اولاد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

——— سورۂ انعام ۰۶ آیت: ۱۴۰

اسلام کا دستورِ حیات تو فرزندانِ آدم کو یہ یقین دلاتا ہے کہ:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔	زمین کی سطح پر حرکت کرنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو۔

——— سورۂ ہود ۱۱ - آیت: ۶

اچھا! اب رہی لڑکیوں سے ان کے حقِ زندگی کو سلب کر لینے کی بات! تو

اسے عہد جاہلیت کے، برچھائے ہوئے قلّاش عربوں کی، بپھری ہوئی آنا کی ایک لپک سمجھیے!

قرآن حکیم نے ان بادیہ نشینوں کی "نفسیات اور طرز عمل" پر یوں روشنی ڈالی ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۚ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○

جب ان میں سے کسی کو یہ بتایا جاتا، کہ لڑکی پیدا ہوئی ہے تو اس کا چہرہ تو نس جاتا، غصّے کے مارے آنکھوں میں خون اُتر آتا، پھر اس خبر وحشت اثر کے باعث وہ اپنی قوم سے چھپتا پھرتا، اور سوچتا کہ کلنگ کا ٹیکہ لگا کر لڑکی کو جینے دے۔ یا پھر اسے زندہ مٹّی میں توپ دے ___؟ دیکھو! یہ لوگ کتنے بُرے فیصلے کرتے ہیں۔

___ سورۂ نحل ۱۶۔ آیت: ۵۸-۵۹

علاوہ ازایں سورۂ تکویر میں بھی اس نامراد رسم کا تذکرہ ہے جسے عربوں کے معاشرے میں وَأد کا نام دیا جاتا تھا۔ اسلام کے آئینِ زندگی نے اس انتہائی سفاکانہ رواج کے تعلّق سے

ارشاد فرمایا ہے:___

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ ○ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۚ

اور جب زندہ درگور کی جانے والی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ آخر کس جرم میں اس

کی یوں جان لی گئی۔؟

——— سورۂ تکویر ۸۱۔ آیت: ۸۔۹

اندازِ بیان کہہ رہا ہے کہ جب فیصلے کا وقت آئے گا تو قاتل کے بجائے مقتول سے دریافت کیا جائے گا۔ ع

کس خطا پہ یہ قیامت ٹوٹی۔؟

گویا دستِ جفا نے جو ظلم ڈھایا ہے وہ تو ثابت ہے۔ اس ہنگام، درد کی موجوں پر صرف بے گناہی کی حکایت اور واردات کی تفصیل نشر کی جائے گی!

ہاں! عرصۂ حشر میں یہی ہوگا۔ نہ کوئی بات چھپ سکتی ہے اور نہ کسی کام پر پردہ پڑ سکتا ہے! اور پھر جب کہ معاملہ انسان کے خون کی بے حرمتی کا ہو؟ ع

جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکاریگا آستیں کا

اب کوئی کہے۔ چھوڑیئے! اس دکھ بھری کہانی کو، یہ تو بہت پرانے زمانے کی باتیں ہیں پھر بے آب و گیاہ ریگ زاروں میں بسنے والے عربوں کا مزاج، افتادِ طبع اور حالات بھی خاصے مختلف تھے۔ ان کا کسی سے کیا مقابلہ۔! جی ہاں! یہ خیال ایک حد تک تو درست ہے، مگر پرانے معاشرے اور نئی سماج میں اقتصادی برتری اور اجتماعی وجاہت (Social Status) کی للک ایک جیسی ہے۔ اب تک اس میں کچھ زیادہ فرق نہیں آیا! تاریخ کافی آگے بڑھ چکی ہے۔ پھر بھی بے تھاہ خوشحالی کی "ہوس" اور بلند سے بلند حیثیت کے "ہوکے" میں کوئی بل نہیں پڑا۔!

البتہ! اگلے وقتوں اور آج کے لوگوں میں جو تفاوت نظر آتا ہے۔ وہ بس!

اتنا کہ پہلے کے آدمی اپنے معاشی حالات کو سنبھالا دینے کے لیے اور اپنے ماحول میں اپنی ناک اُونچی رکھنے کے واسطے اپنے بچّوں کو خاک میں ملا دیتے تھے!

"عصرِ نو" میں جدید تہذیب و تمدن سے سجے ہوئے لوگ "قتلِ عمد" کے مرتکب تو نہیں ہوتے۔ قصداً اپنے نونہالوں کی جان نہیں لیتے!

لیکن! اسلامی نظامِ زندگی کے "نقطۂ نظر" (*Outlook*) سے اپنے دل کے سہاروں اور مستقبل کی امیدوں کو، ہنسی خوشی، ذہنی اور فکری موت کی گود میں سلا دیتے ہیں!

مطلب یہ کہ ہم اپنی اولاد کو مذہبی زندگی کا ہلکا پھلکا سا شعور بھی نہیں دے پاتے اور بڑے اطمینان سے ان معصوم جانوں کو حسبِ توفیق اُن ایجنسیوں کے حوالے کر دیتے ہیں جن کے سربراہوں اور کارپردازوں کو قرآن کا مزاج سمجھنے سے تا حال کوئی دلچسپی نہیں پیدا ہو سکی ہے۔!

اب اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ ہمارے گلستانِ حیات کی کچّی کلیاں اور ادھ کھلے پھُول، جب کنڈر گارٹن۔ نرسری۔ مون ٹیسری۔ پری پریٹری۔ کانونٹ یا ورناکیولر اسکول (*Vernacular school*) جیسے ابتدائی مراحل کے دبستانوں سے ہوتے ہوئے مغربی طرز کی اعلیٰ دانش گاہوں میں پہونچتے ——— اور پھر عملی زندگی کی راہوں پر چلنے لگتے ہیں، تو اپنی اپنی صلاحیت اور حال احوال کے اعتبار سے بڑے بڑے بیوروکریٹ۔ نامی گرامی ٹکنوکریٹ۔ مشہور و معروف تاجر لمبے تڑنگے

بنک کار۔ ممتاز قانون داں۔ حاذق طبیب۔ ماہرِ صحافی۔ قابل اساتذہ مانے ہوئے سیاست داں اور منجھے ہوئے سپاہی کا درجہ اور مقام تو حاصل کر لیتے ہیں۔ مگر بحیثیت "کلمہ گو" وہ اپنی ہیئت اجتماعی (Society) کے تقاضوں کی تکمیل کے قابل نہیں ہوتے۔ اس لیے کہ ان میں سے کوئی بھی، ایک باخبر معیاری مسلمان ہونے کے شرائط پر پورا نہیں اترتا۔! بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو ان کے تعلیمی مراکز اور ماحول نے جو سانچہ دیا اسی میں ان کے ذہن ڈھلے! اور جو بنا، بنایا راستہ ملا اسی پر چلے۔ لہٰذا یہ "جوگل" کھلاتے ہیں اور جو "رنگ" بدلتے ہیں اس کے علاوہ ان سے اور توقع بھی کیا کی جاسکتی ہے۔؟

بہرکیف! یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ سب ہمارے مغرب زدہ معاشرے اور غیر اسلامی طرز کی درسگاہوں کا ظہورہ ہے! ہم اپنے موجودہ نظامِ تعلیم کو بدلنے کی سکت نہیں رکھتے، پھر تعلیم سے متعلق "حکمتِ عملی" کی نوک پلک ٹھیک کرنے کی مہم تو بڑے دل گردے کا کام ہے۔!

بنابریں! اب ایک ہی صورت رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنے اپنے گھروں میں اسلامی ماحول پیدا کریں اور اس ضمن میں نمایاں اہمیت اس بات کو دی جائے کہ بڑوں کے مزاج، عادات، فکر اور جذبے میں اسلام کا رچاؤ ہو۔ کیونکہ سب سے پہلے بچّہ اپنے گھر کی فضا سے متاثر ہوتا ہے اور گھر والوں ہی کی ہر ادا مسلسل اور پیہم اس کے دل پر نقش اور حافظے میں ثبت ہوتی رہتی ہے۔

الغرض! مذکورہ حقیقت کو سامنے رکھ کر صحتِ ضمیر اور سچائی کے تمام پہلوؤں کا احترام بجالاتے ہوئے ہمیں چاہیے کہ "تربیت اولاد" کا عظیم کارنامہ انجام دینے کے لیے کمربستہ

ہو جائیں۔ آغاز کار کے مرحلے میں پہلے تو ہم میں سے ہر فرد کو ایک حقیقت پسند انسان کی طرح یہ تسلیم کر لینا چاہئے کہ اسلام سے پہلے کے "دور ظلمت" اور بیسویں صدی کے "عہد جاہلیت" میں چنداں فرق نہیں ہے۔ اللہ کی کتاب، اللہ کے رسولؐ اور خانوادۂ وحی و رسالتؐ کی بدولت علم و عرفان اور فرہنگ و آگہی کا جو ورثہ ہمیں ملا تھا۔ افسوس! اور ہزار افسوس! کہ۔ وہ تو سب "نقش و نگارِ طاق نسیاں" ہو گیا! اور اسی کارن ہمارے ہاں نہ تو اسلامی تمدّن کی کوئی چیز سموچی بچی اور نہ اس تہذیب کی کوئی شئے جوں کی توں موجود ہے! ہائے! کیا غضب کا شعر کہا ہے، مردِ آزاد غالب مرحوم نے ؎

دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں
آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا!

اس کے بعد "تربیت" کی غرض و غایت کا تعیّن اور پھر حصول مقصد کے لیے استقامت کا مظاہرہ لازمی ہے۔ ہمیں اس امر کے لیے سراپا عزم و عمل بننا پڑے گا کہ اب اپنی اولاد کو مسلمان بنائیں گے، تاکہ ان کا دامن حیات اسلام کی برکتوں سے بھرا رہے۔ وہ آسانی سے زندگی کی اصل منزل اور صحیح ہدف تک پہونچ کر اطمینان کی سانس لیں۔ ان کی فکر میں توازن پیدا ہو۔ ان کے دلوں کو سکون ملے یہ اللہ کے سچّے اور اچھے بندے بن کر نہ صرف اپنے گھر، خاندان اور گرد و پیش کے لیے نمونے کے انسان ثابت ہوں۔ بلکہ ہمارے نونہال اپنے عمدہ معیار، اجلے کردار، سلجھے اطوار نیز روح پرور آثار و روایات سمیت اپنے مفید تجربوں کو بھی قابل رشک طریقے سے مستقبل کی نسلوں تک پہونچانے میں کامیاب و کامران رہیں۔

اب اس دشوار راستے کو طے کرنے کے واسطے ہمیں اسلام کے ذخیرۂ ہدایت اور اس مکتب کے عقل پرور وشعور آفریں رہنماؤں کی ہر بات کو سینے سے لگا کر سمجھنا پڑیگا تاکہ خود ہماری روش میں ایسی تبدیلی نمود کرے کہ جدھر نگاہ اٹھے اُدھر کانٹا کانٹا پھول اور پتّھر پتّھر کہکشاں بن جائے۔!

ہاں! خوب یاد آیا۔!

دراصل، ہمیں پہلے "حق" کے مطلب اور "فرض" کے مفہوم کی وضاحت کردینا چاہئے تھی۔ خیر! اب بھی کچھ نہیں گیا۔ نہ ہم زیادہ دور نکلے ہیں اور نہ بہت دیر ہوئی ہے۔

دیکھئے! حق کوئی ایسا امتیاز نہیں جو صرف بڑوں کے نصیب میں آئے اور فرض بھی کوئی ایسی خصوصیت نہیں، جو محض چھوٹوں کا مقدر قرار پائے۔ صورت حال یہ کہ اس کائنات کی ہر چیز سے انسان کا تعلق ہے۔ صحن گیتی کی آرائش ہو یا بام فلک کی زیبائش یہ سب آدمی ہی کے لیے ہے۔

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا

وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔

——— سورہ بقرہ ۲ - آیت: ۲۹

اب جبکہ اس چمنستانِ ہستی میں بوئے گُل سے لے کر نغمۂ بلبل تک برگ ونکہت کا تمام اثاثہ ہمارے نام پر ہے، تو پھر ہم میں سے ہر ایک کو ذوقِ سلیم کی چھاؤں میں کھڑے ہو کر عقلِ جہاں بیں سے یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ جس شئی سے جو مقصد پورا ہوتا ہے۔ بس! وہ اسی مصرف میں آئے۔ نیز دنیا کی سود مند اور نفع رساں انواع واجناس کے لیے ایسے صحت افزا حالات پیدا کئے جائیں کہ ان کی بقا کو تحفظ اور نشو ونما کو ضمانت مل جائے۔

لیجیے! بات ختم۔ یعنی! ہر فائدہ پہونچانے والے وجود کی رکھوالی ضروری ہے یہ اس کا "حق" ہے۔ اور اس سے لگاؤ رکھنے والے پر اس کی حفاظت لازم ہے۔ یہ اس کا "فرض" ہے۔ خیال رہے کہ عصرِ نو کے وہ دانشور جو اس مضمون پر دسترس رکھتے ہیں۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ "حقوق وفرائض" کی بات صرف سماجی، سیاسی اور اقتصادی زندگی سے تعلّق رکھتی ہے۔

مگر! خدا کروٹ کروٹ جنّت نصیب کرے ڈاکٹر خواجہ غلام السیّدین کو وہ لکھتے ہیں: "اخلاق کا دائرہ ان تعلقات کی حدود سے بھی زیادہ وسیع ہے، جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں۔ مشرق کے معلّمینِ اخلاق نے ان حقوق کو جو کسی فرد پر عائد ہوتے ہیں۔ تین حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔

اوّل۔ حقوق اللہ، یعنی! وہ حقوق جو خالق کو اپنے بندوں پر حاصل ہیں۔ اور جن کو پہچانے اور ادا کئے بغیر انسان اپنی پوری حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا۔!

دوسرے۔ حقوق العباد، یعنی! وہ حقوق، جو ہمارے ابنائے جنس کو

ہم پر حاصل ہیں۔ اور جن کی وجہ سے تمام انسان ایک دوسرے کے ساتھ ایک رشتے میں مربوط ہیں۔

تیسرے۔ حقوق النّفس، یعنی! وہ حقوق جو خود ہمارے نفس کو ہم پر حاصل ہیں۔ انسان کا اخلاقی فرض یہ ہے کہ وہ تینوں قسم کے حقوق کو دیانت داری کے ساتھ ادا کرے۔"

"اصول تعلیم" صفحہ ۳۸۸۔ دوسرا ایڈیشن طبع دہلی۔

اسلام میں حقوق و فرائض کو ان کی وسعت و اہمیّت کے علاوہ، قربتوں واسطوں، احساسات، جذبات اور قدروں کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے۔ درجہ بندی کی گئی ہے اور پھر نہایت منظم طریقے سے یہ حقائق دنیا تک پہونچائے گئے ہیں۔

اس ضمن میں سب سے پہلے ایوان آگہی کی روشنی اور محراب بندگی کی رونق حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام (۳۸ــــــ ۹۵ھ) نے اپنے مدرسۂ ہدایت کے منشور (Charter) رسالۃ الحقوق کے ذریعے، زندگی کی ہر حرکت و سکون اور رشتے ناتے "حق اور فرض" کی تفصیلات سے دنیائے انسانی کی رہبری فرمائی۔

یادداشت: جان و جہاں آفرین کی عبادت و اطاعت سے لے کر جسم و روح کی حفاظت اور معیشت و معاشرت سے لے کر ریاست و سیاست تک پچاس ۵۰ دفعات پر مشتمل دنیا کے اس اوّلین منشور میں امامؑ عالیمقام نے تمام انواع و اصناف کے "حقوق و فرائض" کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ ذہن انسانی کے حوالے فرمایا ہے۔

چوتھی صدی ہجری کے نامور محقق شیخ جلیل ابو محمد حسن بن شعبہ حرّانی حلبی اعلی اللہ مقامہٗ کے بے مثل و نظیر شاہکار تحف العقول عن آل الرسولؐ (طبع بیروت) میں صفحہ ۱۸۴ سے ۱۹۵ تک اس کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

نیز رئیس المحدثین ابو جعفر محمد ابن بابویہ قمی الصدوق نور اللہ مرقدہ (متوفی ۳۸۱ھ) کی مشہور و مقبول کاوش الامالی میں بھی یہ موجود ہے۔ حوالے کے لیے ملاحظہ ہو۔ صفحہ ۳۰۱ - ۳۰۶۔ (الامالی طبع بیروت) علاوہ ازایں صدوق ہی کی دوسری کتابوں الخصال جلد ۲ کے صفحہ ۱۲۶ پر بھی درج ہے۔ اور حدیث کے ایک بنیادی مجموعے مَن لا یحضرہ الفقیہ کے صفحہ ۳۲۲ پر بھی یہ رسالہ مرقوم ہے۔

الحاصل! حق و فرض کی تشریح و تفسیر کے بعد مکرّر عرض ہے کہ جس طرح والدین کے بہت سے حقوق اولاد کے ذمّے ہیں اور ان کی بجاآوری بچوں کا فرض عین ہے اسی طرح والدین کے ذمّے بھی اولاد کے کچھ حقوق ہیں، جن کی ادائیگی "ماں باپ" پر واجب ہے۔ لہٰذا آیئے! ذرا ان کی تفصیل معلوم کریں۔

پرورش کا اہتمام

پہلی ذمّے داری تو یہ ہے کہ بچوں کی پرورش و پرداخت کے ممکن وسائل مہیا کئے جائیں۔

اسلامی قاعدے قانون کے مطابق، اولاد کے پالنے پوسنے، رہنے سہنے، کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، دوا علاج اور تعلیم و تربیت کی نگہداشت، بلکہ ہر طرح کی دیکھ بھال باپ کے فرائض میں شامل ہے۔

احکام شریعت کی رو سے باپ ہی کو اپنی اولاد، نیز (ضرورت ہو تو) اولاد کی اولاد کا سارا خرچہ اُٹھانا چاہیئے۔ اگر باپ، نادار، تنگ دست یا مجبور ہے اور ماں میں سکت ہو۔ وہ مالی استعداد رکھتی ہو تو پھر یہ اس کی ذمّے داری ہوجائیگی کہ بچّوں کے تمام مصارف برداشت کرے۔

اس مسئلے میں تمام فقہا ہم فکر و ہم آہنگ ہیں۔ چنانچہ ہمارے حوزہ علمیہ نے جن فقہی مجموعوں کو کلیجے سے لگا رکھا ہے، یعنی! اللمعۃ الدمشقیۃ کے خالق شہید اوّل محمد ابن جمال الدین مکی عاملی اور لمعہ کے اُجالا پھیلانے والے شارح شہید ثانی زین الدین جبعی اپنی اپنی بیش بہا کتابوں میں تحریر فرماتے ہیں:

(تَجِبُ النَّفَقَۃُ عَلَی الْاَبَوَیْنِ فَصَاعِداً) وَهُمْ: آبَاءُ الْاَبِ وَاُمَّهَاتُہٗ وَاِنْ عَلَوْا، وَآبَاءُ الْاُمِّ وَاُمَّهَاتُهَا وَاِنْ عَلَوْا، (وَالْاَوْلَادِ فَنَازِلاً) ذُکُوراً کَانُوا اَمْ اِنَاثاً، لِابْنِ الْمُنْفِقِ اَمْ لِبِنْتِہٖ[1]

جس طرح والدین کا نفقہ اولاد پر فرض ہے۔ اسی طرح (ضرورت پڑے تو) دادا، دادی اور نانا، نانی کی معاشی کفالت بھی قانوناً لازم ہے۔ نیز اپنے بچّوں اور (حالات کا تقاضا ہو تو) پوتا پوتی، نواسا نواسی اور ان کی اولاد کا خرچہ اٹھانا بھی واجبات میں سے ہے۔

——— اللمعۃ الدمشقیہ صفحہ ۱۹۰۔ طبع بیروت

——— شرح لمعہ جلد ۵ صفحہ ۴۷۳ طبع بیروت

اس کے علاوہ شہید ثانی نے مسالک الافہام شرح شرائع الاسلام میں اور شیخ محمد حسن نجفی نے اپنے فقہی شاہکار جواہر الکلام میں بھی اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔

---

[1] قوسین کی عبارت لمعہ کی ہے اور باقی شرح لمعہ کی۔

صاحب جواہر لکھتے ہیں ۔

تَجِبُ النَّفَقَۃُ عَلَی الْاَبَوَیْنِ وَالْاَوْلَادِ اِجْمَاعًا ۔ وَ کَذَا الْکَلَامُ فِی الْاَوْلَادِ وَلَوْ اَلْبَنَاتُ مِنْھُمْ وَاِنْ نَزَلُوْا۔

ماں باپ کے ضروریات زندگی کا پورا کرنا اولاد پر واجب ہے اور اسی عنوان سے اپنی اولاد، اور (احتیاج ہو تو) ان کے بچوں کی کفالت بھی فرض ہے ۔

——— جواہر الکلام جلد ۳ صفحہ ۳۶۶ طبع بیروت

بہرحال! جس طرح بچوں کی فوری ضرورتوں کی تکمیل لازمی ہے۔ اسی عنوان سے انکے مستقبل کو روشن رکھنے کا بندوبست بھی نہایت ضروری ہے اور اسکی اہمیت کا اندازہ عہدِ رسالتؐ کے اس واقعے نیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے لگایا جاسکتا ہے۔

صاحبِ قرب الاسناد لکھتے ہیں: " انصار کے قبیلوں میں سے کسی خاندان کے ایک شخص کے پاس مختصر سا سرمایہ۔ اور کئی چھوٹے چھوٹے بچے تھے. مرنے کا وقت قریب آیا تو اجر و ثواب کے حصول اور اپنی عاقبت سنوارنے کے شوق میں اس نے اپنی ساری پونجی اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالی اور جب وہ دنیا سے چل بسا تو اس کے کمسن بچے دوسروں کی نگاہِ کرم کے محتاج ہو گئے !

جب حضور نبی کریمؐ کو اس مردِ انصاری کی موت اور صورتِ حال کی اطلاع ملی تو آنحضرت نے اس کے قوم قبیلے سے دریافت فرمایا۔ کہ: "تم نے اس کا کیا کیا؟" لوگوں نے عرض کی: حضورؐ! ہم نے اسے دفن کر دیا۔ یہ سُن کر سرکار رحمۃ للعالمینؐ نے ارشاد فرمایا:

اَمَا اِنِّی لَوْ عَلِمْتُهٗ مَا تَرَكْتُكُمْ تَدْفِنُوْنَهٗ مَعَ اَهْلِ الْاِسْلَامِ
تَرَكَ وُلْدَهٗ يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ ۔

"مجھے پہلے خبر ہوتی تو اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفنانے کی اجازت نہ دیتا۔ وہ آدمی، اپنا سارا جمع جتھا ختم کر کے اپنی اولاد کو بھیک مانگنے کے لیے چھوڑ گیا"۔!

——— قرب الاسناد صفحہ ۳۱

حُسنِ تربیت

رسان رسان، درجہ بدرجہ، ترتیب و تنظیم کے ساتھ کسی فرد یا جماعت کو اس کی تاب و تواں، ضرورت و احتیاج اور استعداد و صلاحیت کے لحاظ سے رشد و کمال کی منزل تک پہونچانے کا نام تربیت ہے۔ !؎

؎ "جدید فلسفۂ تعلیم" کے نامی گرامی رہنما ڈاکٹر خواجہ غلام السیدین مرحوم کہتے ہیں کہ: عام طور پر مدرسوں میں جو تعلیم دی جاتی ہے اور جس میں انھیں بعض علوم و فنون سکھائے جاتے ہیں اسے ظاہر کرنے کے لیے انگریزی میں .INSTRUCTION ____ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن "تعلیم" کا ایک دوسرا مفہوم زیادہ عام اور وسیع ہے، جس کے مطابق انسان کو زندگی اور اس کے تمام مظاہر اور ادارے تعلیم دیتے ہیں اس کے لیے انگریزی میں .EDUCATION کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کا ترجمہ تربیت کیا جا سکتا ہے۔

"اصول تعلیم" صفحہ ۷۰-۷۱، دوسرا ایڈیشن - طبع دہلی

اس کے دو اقسام ہیں۔ مادّی اور معنوی۔ یعنی جسمانی تربیت اور ذہنی تربیت جسمانی تربیت میں "پرورش" یا پالنے پوسنے کی باتیں آتی ہیں اور "ذہنی تربیت" محاسن و مکارمِ اخلاق کے ہر رشتے سے وابستہ ہے۔

چنانچہ سرپرستوں کا بس یہی ایک فریضہ نہیں کہ وہ اپنے نونہالوں کو صرف مادی سہولتیں پہونچائیں بلکہ ان کے لیے یہ بھی لازمی ہے کہ وہ کھلے دل اور نہایت اخلاص کے ساتھ اپنے بچّوں کے دل و دماغ میں روحانی اور اخلاقی قدروں کی روشنی بھی تیز کرتے رہیں۔

عالی خیال اور بلند نگاہ والدین ہمیشہ اچھی اٹھان پر سنجیدگی سے توجہ دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی اولاد کے واسطے فکر و نظر اور نفس و ضمیر کی خوبیوں کے زیادہ طلب گار ہوتے ہیں!

آیئے، دیکھئے! اللہ کے بندۂ خاص حضرت زکریا اپنے ہاتھ پھیلائے خدائے بے نیاز کی درگاہ اقدس میں عرض کر رہے ہیں۔ دُعا کے الفاظ سے ان کے دل کی کیفیت بھی عیاں ہے۔

فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ۝ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝

تو مجھے اپنے فضل و کرم سے ایک جانشین عطا کر دے جو میرا بھی وارث ہو نیز آلِ یعقوب کا ورثہ بھی اسی کو ملے اور میرے پالنے والے! تو اس کو ایک پسندیدہ انسان بنانا۔

——— سورۂ مریم، آیت: ۵-۶

اور حضور رحمۃ للعالمین کا یہ ارشاد گرامی ہمیشہ مرکز فکر و توجہ رہے۔ رہبر عالم فرماتے ہیں:

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ حَتّٰى يَكُوْنَ اَبَوَاهُ يُهَوِّدَانَهُ وَيُنَصِّرَانَهُ

ہر بچہ فطرت کے طریقے پر پیدا ہوتا ہے۔ یہ ماں باپ ہیں جو اسے یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔ سفینۃ البحار جلد ۳ صفحہ ۳۸۳

نیز سرکار ختم المرسلینؐ، حضرت علی مرتضیٰ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرماتے ہیں:

يَا عَلِيُّ! لَعَنَ اللّٰهُ وَالِدَيْنِ حَمَلَا وَلَدَهُمَا عَلٰى عُقُوْقِهِمَا۔

اے علیؑ! خدا لعنت کرے ان ماں باپ پر جو اپنے بچے کو ایسی بُری تربیت دیں کہ جس کے سبب نافرمانی (عاق) تک نوبت آپہونچے۔

مستدرک الوسائل جلد ۲ صفحہ ۶۲۵

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے:

رَحِمَ اللّٰهُ وَالِدَيْنِ اَعَانَا وَلَدَهُمَا عَلٰى بِرِّهِمَا۔

اللہ کی رحمت ان ماں باپ کے شامل حال رہے جو اولاد کو اس ڈھنگ کی تربیت دیں جس سے وہ اپنے والدین کے لیے اچھا رویہ اپنانے میں مدد حاصل کرسکیں۔

——— فروع کافی جلد ۶ صفحہ ۴۸

——— مستدرک۔ جلد ۲ صفحہ ۲۵

اسی سلسلے میں حکیم الٰہی جناب امیر علیہ السّلام یوں رہنمائی فرماتے ہیں:

مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا نُحْلًا اَفْضَلَ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ

کسی باپ کا اپنے بیٹے کے لیے حسن تربیت اور کمالِ ادب سے بہتر اور کوئی عطیہ نہیں!

مستدرک الوسائل جلد ۲۔ صفحہ ۶۲۵

مولائے متقیانؑ ایک اور موقع پر اس طرح گہر افشاں ہوتے ہیں:

مَنْ كُلِّفَ بِالْاَدَبِ قَلَّتْ مَسَاوِيْهِ وَمَنْ قَلَّ اَدَبُهُ كَثُرَتْ مَسَاوِيْهِ.

جسے ٹھیک ٹھیک تربیت دی جائے گی وہ کم لڑکھڑائے گا اور جس کی تربیت میں کسر رہ جائے گی وہ زیادہ ٹھوکریں کھائے گا۔

غرر الحکم صفحہ ۴۵

نیز حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام اولاد کے تعلق سے فرض تربیت کا اس طرح درس دیتے ہیں:

وَاَمَّا حَقُّ وَلَدِكَ فَاَنْ تَعْلَمَ اَنَّهُ مِنْكَ وَمُضَافٌ اِلَيْكَ فِيْ عَاجِلِ الدُّنْيَا بِخَيْرِهِ وَشَرِّهِ، وَاِنَّكَ مَسْئُوْلٌ عَمَّا وَلِيْتَهُ بِهِ مِنْ حُسْنِ الْاَدَبِ، وَالدَّلَالَةِ عَلٰى رَبِّهِ عَزَّوَجَلَّ وَالْمَعُوْنَةِ لَهُ عَلٰى طَاعَتِهِ فَاعْمَلْ فِيْ اَمْرِهِ عَمَلَ مَنْ يَعْلَمُ

اَنَّہٗ مُثَابٌ عَلَی الْاِحْسَانِ اِلَیْہِ، مُعَاقَبٌ عَلَی الْاِسَائَۃِ اِلَیْہِ۔

تمہارے بیٹے کا تم پر ایک حق تو یہ ہے کہ تم اسے اپنا سمجھو، اور یہ بھی جانو کہ اس دنیا میں اس کی ہر اچھائی برائی اور ہر نیکی بدی کا رشتہ تم سے جڑا ہوا ہے، تمھیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ سرپرست ہونے کے ناتے اپنے بچے میں "حسنِ ادب" پیوست کرنے کی ذمہ داری بھی تم ہی پر عائد ہوتی ہے اور اسے خدا کی جانب متوجہ کرنے کا فرض بھی تمھاری گردن پر ہے۔

اس کے علاوہ معبودِ برحق کی عبادت و اطاعت کے سلسلے میں اپنے فرزند کی مدد کرنا بھی تمہارا ہی کام ہے۔

اور بس یہی نہیں! بلکہ اس یقین کے ساتھ اچھی تربیت دینے میں اپنی کارکردگی دکھاؤ کہ اگر عہدہ برآ ہو گئے، حق ادا کر دیا تو بارگاہ احدیت سے تمھیں اس کا اجر حاصل ہوگا اور اگر اس میں کوئی کوتاہی برتی تو اس کی سزا ضرور ملے گی۔

—— مکارم الاخلاق۔ صفحہ ۲۳۲

— تحف العقول۔ صفحہ ۱۸۹۔ طبع بیروت

صادق آل محمدؐ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کا ارشاد ہے:

اِنَّ خَیْرَ مَا وَرَّثَ الْآبَاءُ لِاَبْنَائِھِمُ الْاَدَبُ لَا الْمَالُ۔ فَاِنَّ الْمَالَ یَذْھَبُ وَالْاَدَبُ یَبْقٰی

آباء و اجداد کا اپنے فرزندوں کے لیے سب سے اچھا ورثہ، مال و دولت نہیں، تہذیب و تربیت ہے۔ کیونکہ مال جانے والی چیز ہے اور ادب و تہذیب کو زوال نہیں

—— روضۂ کافی۔ جلد ۸ صفحہ ۱۵۰ طبع تہران

قبلۂ اہلِ نظر حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام نے، پروردگار عالم کی بارگاہِ فضل و کرم میں اپنی اولاد کے واسطے جو دعائیں مانگی ہیں ان کا ایک ایک فقرہ بلکہ ایک ایک لفظ حسنِ طلب اور کمالِ خلوص کا نمونہ ہے. مگر اپنے دل کے ٹکڑوں کے لیے تمام بیش بہا قدروں کا سوال کرتے ہوئے اس پالنے والے سے آپ نے خود اپنے واسطے جو چیز مانگی ہے، اسے ہر دور کے سنبھلے ہوئے "ماں باپ" کی منتہائے آرزو جانئے! ہر انسان کو چاہیے کہ، امامِ ہمام کی اس "فکر ساز" اور جہت نما" دُعا کا یہ جملہ اپنے دل پر نقش کرلے.

وَاَعِنِّیْ عَلٰی تَرْبِیَتِہِمْ وَتَاْدِیْبِہِمْ وَبِرِّہِمْ۔

بارالٰہا! اپنے بچّوں کو تربیت دینے، ادب سے آراستہ کرنے اور نیکیوں سے سجانے میں تو میری مدد فرما.

"دعاؤہ لولدہ" صحیفہ کاملہ. صفحہ ۱۴۳- طبع لندن.

اخلاق و آداب

"اچھے شہری" یا "مثالی مسلمان" بننے کے لیے بچپن کا دَور ہی دراصل تیاری کا زمانہ ہوتا ہے۔

والدین جو اپنے نونہالوں کی جسمانی حفاظت اور نگہداشت کے لیے وہ سب کچھ کرتے ہیں جو اُن کے بس میں ہوتا ہے۔ انھیں یہ بھی چاہیے کہ اپنے بچوں کی ذہنی نشو و نما ـــــــ، نیز سماجی اور تہذیبی تربیت کے سلسلے میں بھی پوری توجہ و انہماک کا مظاہرہ کریں اور یہ بات گرہ میں باندھ لیں کہ، عمدہ ثقافت اور شستہ معاشرت کا دار و مدار اخلاق پر ہے۔

مگر اخلاق کے معنی وہ نہیں جو جاگیردارانہ نظام (Feudalism) یا مغرب کی مادر پدر آزاد طرزِ معاشرت نے رائج کئے، اور تقریباً ہر دماغ میں یہ بٹھا دیا کہ جو کوئی رہنے سہنے، ملنے جلنے، اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے کے مروّجہ آداب (Etiquettes) سے واقف ہو! مزید برآں وہ میٹھی زبان اور سُریلے لہجے میں گفتگو بھی کرنا جانتا ہو۔ تو بس! اسی کو با اخلاق آدمی سمجھنا چاہیے۔ جی، نہیں! قطعاً نہیں!

اخلاق کی وسعتوں کو دیکھتے ہوئے یہ اخلاقیات کا بہت ہی مختصر کیا ہوا، ناتواں سا مفہوم ہے۔ ہاں! یہ مانا کہ ریاکاری نہ ہو تو نفاست سے رہنا اور دوسروں کے ساتھ مناسب اور موزوں طریقے سے پیش آنا، ثقافتی کردار کا ایک ضروری اور پسندیدہ رُخ ہے۔ لیکن اخلاق کی بات اتنے میں نہیں تمام ہوتی۔!

ہاں! اخلاق آموزی کا یہ مقصد بھی نہیں کہ ہم "نئی نسل" کو ان طور طریقوں کا پابند کریں جو ہمارے وضعدار بزرگوں نے پرانی سماج سے لے کر ہمیں منتقل کئے ہیں۔

اخلاق ایک زندہ حقیقت ہے اور اس کی تمام قدروں کو عصری تقاضوں کے مطابق ہونا چاہئے۔

اس ضمن میں بابِ مدینۂ حکمت جناب امیر المومنین علیہ السّلام کا ارشاد ہے۔

لَا تَقْسِرُوا اَوْلَادَكُمْ عَلٰى آدَابِكُمْ فَاِنَّهُمْ مَخْلُوْقُوْنَ لِزَمَنٍ غَيْرِ زَمَانِكُمْ۔

تم لوگ اپنے بچّوں کو زبردستی اپنے زمانے کے آداب و رسوم اختیار کرنے پر مجبور نہ کرو۔ کیونکہ یہ تمہارے وقتوں کے لیے نہیں، آنے والے دور کے لیے پیدا کئے گئے ہیں۔ — نہج البلاغۃ۔ شرح ابن ابی الحدید جلد ۲۰ صفحہ ۲۰۷

دیکھئے! "علم اخلاق" زندگی بسر کرنے کے ہنر کو کہتے ہیں۔ اس علم کی مدد سے انسان میں "خیر و شر" کی تمیز اور "خوب و بد" کی پہچان پیدا ہوتی ہے۔ اخلاق ہی ہر ایک کیلئے وہ مؤثر ذریعہ ہے جس سے اپنے آپ کو بنانے سنوارنے۔ صحیح جہت تلاش کرنے۔ ٹھیک راستے پر چلنے اور بہتر تمدنی زندگی اپنانے کا سلیقہ آتا ہے! حسنِ اخلاق کا تعلق حیاتِ انسانی کے ہر شعبے سے ہے، اور ہر شعبے میں خاطر خواہ مقام، خوش خلقی کی بدولت ہی نصیب ہوتا ہے۔!

حکیمِ اسلام امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السّلام "فلسفۂ اخلاق" پر گفتگو کرتے ہوئے اخلاقیّات کی اہمیت کو یوں واضح فرماتے ہیں:

لَوْ كُنَّا لَا نَرْجُوا جَنَّةً وَلَا نَخْشٰى نَارًا وَلَا ثَوَابًا وَلَا عِقَابًا لَكَانَ يَنْبَغِيْ لَنَا اَنْ نَطْلُبَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ فَاِنَّهَا مِمَّا تَدُلُّ عَلٰى سَبِيْلِ النَّجَاحِ۔

ہمیں جنّت کی للک، ثواب کی خواہش، دوزخ کا ڈر اور سزا کا خوف نہ ہو، تب بھی "مکارمِ اخلاق" کی طلب کو زندگی سے الگ نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ آدمی کو سلجھے ہوئے اخلاق کی روشنی میں ہی کامرانی کا راستہ ملتا ہے۔

— مستدرک الوسائل جلد ۲، صفحہ ۲۸۳ بیروت

ایمان کی بات یہ کہ۔ اسلام، فرزندانِ آدم کی ہمہ جہتی تکمیل کا مذہب ہے۔ اپنے اصول نظریات اور لائحہ کار کے وسیلے دینِ متین یہ چاہتا ہے کہ خوب سے خوب تر انسان وجود میں آئیں۔ اسی لیے اس نظام میں اخلاق پر غیر معمولی زور دیا گیا ہے، اور اخلاقی قدروں کو بہت

نمایاں جگہ ملی ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم میں حضور ختمی مرتبتؐ کی سب سے بڑی صفت یہ بتائی گئی ہے،

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تم اخلاق کے نہایت بلند مرتبے پر فائز ہو۔

سورہ قلم۔ آیت: ۴

نیز خود سرتاج انبیاؐ، اپنے بارے میں اپنی وحی میں جھلی ہوئی زبان اقدس سے یوں فرماتے ہیں: اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔

میں حسن اخلاق کو نقطۂ کمال تک پہونچانے کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔

بحار الانوار جلد ۱۶ صفحہ ۲۱۰ طبع بیروت

شہرۂ آفاق ادیب سعدی شیرازی نے آنحضرتؐ کے اس انسانیت ساز وصف کو کس خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں۔ ؎

بہترینِ ہزار معجزہ اش

ادبِ نیک بود و خُلقِ عظیم

واقعہ یہ کہ دنیا میں اچھّا، بس! اسی کو کہتے ہیں جس کے گُن اچھے ہوں۔ شخصیّت کی بلندی کا اندازہ معنوی قدروں سے ہوتا ہے۔ معتبر وہی مانا جاتا ہے، جس کے نفسانی صفات اور روحانی خوبیاں مقبول عام ہوں۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام بیان کرتے ہیں کہ:

سرکار رحمتِ دو عالم اپنی تقریروں کو ان جملوں پر ختم فرماتے تھے۔

طُوبىٰ لِمَنْ طَابَ خُلُقُهُ وَطَهُرَتْ سَجِيَّتُهُ وَصَلُحَتْ سَرِيرَتُهُ وَ حَسُنَتْ عَلَانِيَتُهُ وَأَنْفَقَ الْفَضْلَ مِنْ مَالِهِ وَأَمْسَكَ الْفَضْلَ مِنْ قَوْلِهِ وَأَنْصَفَ النَّاسَ مِنْ نَفْسِهِ۔

زہے نصیب! بڑا سعادت مند ہے وہ شخص جس کے اخلاق شائستہ جس کا باطن پاک، طبیعت نیک، نیّت صاف اور ظاہر بے داغ ہو، نیز جو اپنی بچت سے اوروں کو فائدہ پہونچائے، زبان کو قابو میں رکھے اور اپنے رویئے سے سب کے ساتھ انصاف کرے۔

الکافی۔ جلد ۲۔ باب الانصاف والعدل صفحہ ۱۱۶ تہران

اب ان حقائق کو دیکھتے ہوئے ہمیں یہ کہنے میں کوئی پس وپیش نہ ہونا چاہیے کہ دینی ذہن کی تشکیل اور مذہبی ثقافت کی نشو و نما میں اخلاق کو بنیادی حیثیّت حاصل ہے۔!

مگر مکتبِ توحید میں اخلاقیات کا "سوتا" نہ تو ارسطو کے قابل قدر خیالات ہیں اور نہ یونانی فلسفیوں سے متأثر ہونے والے مغربی دانشوروں کے دلکش بیانات!

مثلاً میتھیو آرنولڈ (Mathew arnold) کی کہاوت۔ کہ:

"جوش آفریں اور ولولہ خیز اخلاق ہی کا نام تو دین ہے۔" [1]

یہ ایک عمدہ بات ضرور قرار دی جائے گی لیکن! کسی کلمہ گو کے لیے سند نہیں ہو سکتی! اس لیے کہ اسلام میں تمام عقائد و مسلّمات کی طرح اخلاقیات کا خزانۂ عامرہ بھی قرآن کریم ہے، اور کتابِ خدا کی ہدایت کے مطابق دوسرا مأخذ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا "اسوۂ حسنہ" ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ ہے

_____ سورۂ احزاب۔ آیت: ۲۱

[1] E.E. KELLET, A SHORT HISTORY OF RELIGION, LONDON. 1939, P.3

نیز حضورؐ کے فرمان واجب الاذعان کی روشنی میں ایک اور سرچشمۂ رشد وہدایت ان رہنماؤں کی پاک سیرت ہے جنھوں نے "صاحبِ خلقِ عظیم" کے تمام فضائل وکمالات کو اپنے آپ میں اس طرح جذب کرلیا کہ ان کی ذات اور قرآن کی بات میں کوئی فرق نہیں رہا۔! اور یہ ہیں سرورِ کونینؐ کے اہل بیتؑ علیہ وعلیہم السّلام ۔[1]

ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان گھرانوں میں کسی بچّے کے پیدا ہوتے ہی "نظام شریعت" اس کے اولیاء یا سرپرستوں کو فوراً نومولود کی دینی اور اخلاقی تربیت کی جانب متوجہ کردیتا ہے۔

" دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کا رس گھول کر اس
نووارد کے بالکل کورے ذہن پر کائنات کی سب سے بڑی سچائی کا
نقش بٹھادو۔"

اور اس کے ساتھ ہی عقیقہ کرنے کا بھی حکم ہے۔ گویا اس کے دفترِ زندگی کے پہلے ورق کا آغاز اس فلسفے سے ہو کہ اسلام نے خدا کے ذکر کے ساتھ بندگانِ خدا کی فکر بھی ضروری قرار دی ہے: تاکہ یہ نظریہ اس نئے آنے والے کی رگ وپے میں موجِ خوں کی طرح اور اس

---

[1] قرآن مجید کے ساتھ پیغمبرِ کریمؐ کی عترتِ طاہرہ سے پیوستہ رہنے کا صریح حکم "حدیثِ ثقلین" ہے یہ وہ متواتر حدیث ہے جو اہلسنت کے مجامع میں انتالیس[39] طریقوں سے بیان کی گئی ہے، اور شیعہ مدارک میں بیاسی[82] طُرق سے وارد ہوئی ہے۔

کی تمام نسلوں میں روز و شب کے مانند گردش کرتا رہے۔

اور اس پہلے اقدام کی بنا پر توقّع یہ کی جاتی ہے کہ والدین اپنے بچّوں کے ذہن کی تشکیل میں ہمیشہ اخلاقی قدروں کا سہارا لیں گے اور مذہبی تمدّن و فرہنگ کو نشو و نما دیتے رہیں گے۔ یہ اس واسطے کہ کاروبارِ حیات میں انھیں ایک پسندیدہ شخصیت قرار دیا جائے۔ نیز قدم قدم اور نفس نفس وہ قرآنی مطمحِ نظر اور انسانی طرزِ عمل کے ترجمان سمجھے جائیں۔

بنابریں جو لوگ تربیت کے ذمہ دار ہیں ان کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ، وہ اپنے راج دلاروں کو سچائی کی گود میں پالیں، اچھائی کے سائے میں پروان چڑھائیں انہیں ایک منظّم ذہن دیں، وقت کا پابند بنائیں، ہاں! اس نئی پود کی اٹھان کچھ ایسی ہو کہ قول و قرار کا احترام اس کے مزاج کا خاصّہ کہلائے! یہ نونہال محنت کی عظمت کو ہمیشہ سلام شوق بجا لائیں۔ دوسروں سے ہمدردی کا جذبہ ان کی پہچان بن جائے! حرفِ حق بلند کرنے کا ان میں اتنا حوصلہ ہو کہ قتل گاہ کی زمین کو فرشِ گل سمجھیں! ناانصافی سے نفرت ان کا طرّۂ امتیاز ہو۔ طاقت کو انصاف کا مرادف اور مادی غلبے کو عزّت و بزرگی کا ہم پلّہ نہ جانیں۔ بے سہارا مخلوق کا آسرا ثابت ہوں۔ ظلم و ستم کے خلاف محاذ لگائیں اور مظلوم انسانوں کی دعائیں لیں!

اس سلسلے میں مولائے متقیان جناب امیر المومنین علیہ السّلام نے اپنے فرزندِ ارجمند کے ذریعے ہمیں اور ہمارے بچّوں کو جو ایک مثالی لائحہ فکر و عمل عطا فرمایا ہے وہ بہت اہمیّت رکھتا ہے۔

علی ابن ابیطالبؑ نے ۳۷ھ مطابق ۶۵۷ء میں جنگ صفّین سے مراجعت

فرماتے ہوئے حاضرین کے مقام پر اس "اخلاقی وثیقے" کو قلم بند فرمایا تھا۔

"یہ مصحف تربیت" اکیس نکات پر مشتمل ہے۔ جس میں حکیم الٰہی نے خصوصیت سے ان حقائق پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔

انسان کا خدا سے رشتہ ....

آدمی کا اپنے آپ سے تعلق ....

ایک شخص کا دوسرے افراد سے واسطہ ....

اس پوری کائنات اور قوانین طبیعت سے فرزند آدم کی وابستگی۔

پورے ہدایت نامے میں خطاب سبطِ اکبر حضرت امام حسن مجتبیٰؑ سے ہے۔ اصل متن خاصا طویل ہے۔ ہم اس کے صرف چند حصّے نقل کر رہے ہیں۔

فَإِنِّي أُوصِيكَ بِتَقْوَى اللهِ - أَيْ بُنَيَّ - وَلُزُومِ أَمْرِهِ، وَعِمَارَةِ قَلْبِكَ بِذِكْرِهِ، وَالِاعْتِصَامِ بِحَبْلِهِ. وَأَيُّ سَبَبٍ أَوْثَقُ مِنْ سَبَبٍ بَيْنَكَ وَ بَيْنَ اللهِ إِنْ أَنْتَ أَخَذْتَ بِهِ!

أَحْيِ قَلْبَكَ بِالْمَوْعِظَةِ، وَأَمِتْهُ بِالزَّهَادَةِ، وَقَوِّهِ بِالْيَقِينِ، وَنَوِّرْهُ بِالْحِكْمَةِ، وَذَلِّلْهُ بِذِكْرِ الْمَوْتِ، وَقَرِّرْهُ بِالْفَنَاءِ، وَبَصِّرْهُ فَجَائِعَ الدُّنْيَا، وَحَذِّرْهُ صَوْلَةَ الدَّهْرِ وَ فُحْشَ تَقَلُّبِ اللَّيَالِي وَالْأَيَّامِ، وَاعْرِضْ عَلَيْهِ أَخْبَارَ الْمَاضِينَ، وَذَكِّرْهُ بِمَا أَصَابَ مَنْ كَانَ قَبْلَكَ مِنَ الْأَوَّلِينَ، وَسِرْ فِي دِيَارِهِمْ وَ آثَارِهِمْ فَانْظُرْ فِيمَا فَعَلُوا وَعَمَّا انْتَقَلُوا وَأَيْنَ حَلُّوا وَنَزَلُوا،

فَإِنَّكَ تَجِدُهُمْ قَدِ انْتَقَلُوا عَنِ الأَحِبَّةِ، وَحَلُّوا دِيَارَ الغُرْبَةِ، وَ

كَأَنَّكَ عَنْ قَلِيْلٍ قَدْ صِرْتَ كَأَحَدِهِم، فَأَصْلِحْ مَثْوَاكَ،

وَلَا تَبِعْ آخِرَتَكَ بِدُنْيَاكَ، وَدَعِ القَوْلَ فِيمَا لَا تَعْرِفُ وَ

الْخِطَابَ فِيمَا لَمْ تُكَلَّفْ. وَأَمْسِكْ عَنْ طَرِيْقٍ إِذَا خِفْتَ

ضَلَالَتَهُ فَإِنَّ الْكَفَّ عِنْدَ حَيْرَةِ الضَّلَالِ خَيْرٌ مِنْ رُكُوبِ

الأَهْوَالِ. وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ تَكُنْ مِنْ أَهْلِهِ، وَأَنْكِرِ

الْمُنْكَرَ بِيَدِكَ وَلِسَانِكَ وَبَايِنْ مَنْ فَعَلَهُ بِجُهْدِكَ

وَجَاهِدْ فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ،

وَلَا تَأْخُذْكَ فِي اللهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ، وَخُضِ الْغَمَرَاتِ لِلْحَقِّ حَيْثُ كَانَ وَتَفَقَّهْ

فِي الدِّيْنِ، وَعَوِّدْ نَفْسَكَ التَّصَبُّرَ عَلَى الْمَكْرُوهِ، وَنِعْمَ الْخُلُقُ

التَّصَبُّرُ! وَأَلْجِئْ نَفْسَكَ فِي الأُمُوْرِ كُلِّهَا إِلَى إِلٰهِكَ فَإِنَّكَ

تُلْجِئُهَا إِلَى كَهْفٍ حَرِيْزٍ... وَمَانِعٍ عَزِيْزٍ۔

باپ کی وصیت یہ ہے، میرے بیٹے! کہ تم کمالِ شوق سے خدا ترسی اور فرض شناسی کے جذبے جگاؤ۔ پاک پروردگار کا ہر حکم بجالاؤ۔ نہاں خانۂ دل، اس کی یاد سے آباد رہے۔ خدا کی رسی ہاتھ سے نہ چھٹنے پائے۔ یاد رہے! یہ تمہارے اور خدا کے درمیان جو رشتہ ہے، رابطے کے لیے اس سے زیادہ مستحکم اور کوئی ذریعہ نہیں! دیکھو! ذہن اور ضمیر کو اچھی باتوں سے زندہ رکھو! وقتی خواہشوں کا زور بڑھے تو زہد و پارسائی کی قوت سے اسے بے اثر بنا دو۔ ایمان کی پختگی قلب و نظر کو توانائی بخشتی رہے! حکمت کے نور سے اپنے سینے کی فضا کو روشن

کرو۔ زندگی کی للک وَر ہونے لگے تو موت کی یاد دلا کر اسے مات دے دو۔ اپنے آپ میں اس یقین کو جذب کرلو کہ یہ دنیا زود گزر اور فنا پذیر ہے۔ اپنے نفس کو یہاں کے آلام و مصائب سے روشناس کرواؤ۔ اسے وقت کی یورش کا احساس دلاؤ۔ گردش لیل و نہار کی آشوب گری کا حال بتاؤ۔ اگلے وقتوں کی داستان عبرت سناؤ۔ گزرے ہوؤں کی بپتا یاد دلاؤ۔ عہد ماضی کے جو نشان رہ گئے ہیں، جو آثار باقی ہیں انھیں گھوم پھر کر دیکھو۔ اس کے بعد یہ جائزہ لو کہ اس منزل سے رخت سفر باندھنے والے کس راہ آئے، کس راہ گئے!؟ ع

کہاں سے کوچ کیا اور کہاں مقام ہوا۔!

ہاں! غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ وہ سب کے سب اپنے دوست احباب کو چھوڑ کر چل دیئے! دوسرے دیس میں جا بسے! نیز کچھ عرصے میں تم بھی "دفتر یادِ رفتگاں کا،، ایک نقش بن جاؤ گے!

لہذا جہاں جانا ہے، وہاں اپنے رہنے سہنے کی جگہ کو پہلے ہی سے ٹھیک کرلو۔ اور سُنو! دنیا کی قیمت پر اپنی آخرت کا سودا کبھی نہ کرنا۔

جس بات سے تمھیں لگاؤ نہ ہو اس پر زباں کشائی سے ہمیشہ احتراز کرنا۔ اور جو معاملہ تمہارے فرائض میں شامل نہ ہو اسے کبھی موضوعِ سخن نہ بنانا۔

دیکھو۔ بیٹا! وہ راستہ جس کے پیچ وخم سے بھٹک جانے کا اندیشہ ہو اس پر چلنے کی کوشش نہ کرنا۔ کیونکہ راہ سے بے راہ ہونے کے باعث تباہ و برباد ہونے سے بہتر ہے کہ آگے بڑھنے سے قدم روک لیے جائیں۔

لوگوں میں خدا پسند رفتار و گفتار کا شعور اُبھارو، ادراک پیدا کرو۔ تاکہ نیک اور سعید شخصیتوں میں شمار کئے جاؤ۔ ہاں! دل و جاں اور دست و زباں سے غلط کاموں اور نازیبا باتوں کی نفی کرو۔

نیز مقدور بھر خود کو سماج کے بُرے عناصر سے دور رکھو!

تمھیں چاہیئے کہ راہِ خدا میں شایانِ شان طریقہ پر جہاد کرتے رہو! اور اس سلسلے میں کسی کی کڑوی بات اور کسیلے لہجے کو خاطر میں نہ لاؤ۔

علاوہ ازیں سچی قدروں کے لیے ہر مشکل کو سر کر لو اور ہر دشواری کو نانگھ جاؤ۔ علمِ دین کا رچاؤ ضروری ہے۔ خود کو سختیاں جھیلنے کا عادی بناؤ اور خیال رہے کہ حق کے لیے صبر و شکیبائی کا مظاہرہ، حسنِ اخلاق کا جوہر بیدار ہے۔!

میرے لعل! ہر مہم میں تم اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دو۔ اس عنوان سے تمھیں ایک مضبوط پناہ گاہ کا احساس ہوگا اور ایک انتہائی توانا نگہبان کا تحفّظ حاصل ہو جائے گا۔!

۱۔ نہج البلاغہ۔ رسائل امیرالمومنینؑ
فہرست، حواشی اور شرح الفاظ۔ ڈاکٹر صبحی صالح
طبع بیروت۔ صفحات ۳۹۲ - ۳۹۳

۲۔ تحف العقول
تالیف: ابو محمد الحسن ابن علی ابن الحسین
ابن شعبۃ الحرانی۔ متوفی۔ ۳۸۱ھ
طبع بیروت۔ صفحات۔ ۵۲ تا ۶۴

۳۔ العقد الفرید
از: احمد ابن عبد ربہ المالکی۔
طبع مصر۔ جزو ۳۔ صفحات۔ ۱۵۵ اور ۱۵۶

تکریم و تحسین

تکریم و تحسین کا مطلب یہ ہے کہ" ماں باپ" اپنے بچّوں کی عزت کریں، ان کی پیاری باتوں اور اچھے کاموں کو سراہیں، خلوص اور متانت سے انھیں صحیح راستہ دکھائیں۔ گھر کی فضا کو پرسکون اور ماحول کو باوقار بنائیں۔ یہ نوخیز جسمانی لحاظ سے کمزور ہوتے ہیں۔ لہذا سکھانے پڑھانے کے لیے بہت نرمی اور ملائمت اختیار کریں۔ پھر ان کی ناسمجھی کا خیال رکھنا بھی بیحد ضروری ہے۔ بنابریں اصلاح مقصود ہو تو محبّت اور حوصلے سے کام لیں!

ہاں! اولاد کے حوالے سے "تعظیم و تعریف" کی بات سُن کر ممکن ہے بعض والدین کی تیوریاں چڑھ جائیں! ____ مگر، کیا کیا جائے؟ اپنے ان گود کے پالوں کو ایک مکمّل اور متوازن شخصیّت کا روپ دینے کے لیے علم نفسیّات کے قاعدوں اور احکام شریعت کا یہی تقاضا ہے۔

سرکار دو عالم صلیّ اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا حکم ہے:۔

اَکْرِمُوا اَوْلَادَکُمْ وَاَحْسِنُوا آدَابَھُمْ یَغْفِرُ اللہُ لَکُمْ۔

تم اپنی اولاد کا احترام کرو، انھیں حُسنِ اَدب سے سنوارو اللہ تمہاری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے گا۔

وسائل الشیعہ جلد ۱۵ صفحہ ۱۹۵
بحارانوار جلد ۲۳۔ صفحہ ۱۱۴
سنن ابن ماجہ جلد ۲۔ صفحہ ۳۹۷۔ طبع لاہور

حضور رحمۃ للعالمینؐ مزید ہدایت فرماتے ہیں:۔

لَا تَحْقِرَنَّ اَحَدًا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ فَاِنَّ صَغِیْرَھُمْ عِنْدَ اللہِ کَبِیْرٌ۔

کسی مسلمان کی قدر و قیمت کو کم نہ جانو۔ کیونکہ خدا کی بارگاہ میں کلمہ گویوں کے چھوٹے بچے بھی بڑا مرتبہ رکھتے ہیں۔

____ مجموعہ ورّام۔ جلد ۱۔ صفحہ ۳۱

اسی ضمن میں سرتاجِ انبیاؐ کا ایک اور فرمان:

اُوْصِیْکُمْ بِالشُّبَّانِ خَیْرًا۔

لوگو! میں تاکید کرتا ہوں کہ تم اپنے نوجوانوں کے لیے ہمیشہ نیکی اور خوش رفتاری کا مظاہرہ کرتے رہو۔

———— کتاب قریش۔ صفحہ۔ ۱

اب آیئے! ذرا ان ارشادات کی تھوڑی سی تفصیل بھی معلوم کرتے چلیں۔

بچّوں کی قدر دانی کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ ان کی پہچان کے عام ذریعے یعنی!! ان کے نام پر غیر معمولی توجہ دی جائے۔ ہر شخص کا نام مستقل طور پر اس سے چپکا ہوتا ہے، اور یہی ہمیشہ اس کی شناخت کا کام دیتا ہے۔ بنا بریں۔ نام ایسا چُنا جائے جس میں حُسن ہو۔ سعادت ہو، اور جس کی تہہ میں "خود پسندی" کے بجائے "خدا پسندی" کا جذبہ مضمر ہو!

یہاں پر سرورِ کونینؐ ارواحنا لہ الفدار ہمارے ذہن کی یوں رہنمائی فرماتے ہیں:

اِنَّ اَوَّلَ مَا یَنْحَلُ اَحَدُکُمْ وَلَدَہُ الْاِسْمُ الْحَسَنُ۔

تمہارے بچّے کو پہلا انعام یہ ملنا چاہیے کہ تم اسے ایک پیارا سا نام دو۔

———— بحارالانوار۔ جلد ۱۰۱۔ صفحہ ۱۳۰

رسول مقبولؐ نے جناب امیرؑ کو جو خاص خاص باتیں بتائی تھیں ان میں سے ایک بات یہ تھی:۔

یَا عَلِیُّ! حَقُّ الْوَلَدِ عَلٰی وَالِدِہٖ اَنْ یُّحْسِنَ اِسْمَہٗ وَ اَدَبَہٗ۔

اے علیؑ! ہر بیٹے کا اپنے باپ پر یہ حق ہے کہ وہ اس کے لیے اچھّا سا نام

تجویز کرے اور نہایت عمدہ طریقے سے اسے تربیت دے۔

——— وسائل الشیعہ جلد ۱۵۔ صفحہ ۱۲۳

سلسلۂ قیادت محمدیہ کے ساتویں رہبر حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام بیان فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ کسی شخص نے بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہو کر عرض کی۔ یا رسولؐ اللہ! میرے اس فرزند کا مجھ پر کیا حق ہے؟ حضور نے فرمایا:

تُحَسِّنُ اِسْمَہُ وَاَدَبَہُ وَضَعْہُ مَوْضِعًا حَسَنًا۔

خوبصورت سا نام رکھو، حُسنِ اَدب سے آراستہ کرو۔ اور کام کاج کے سلسلے میں اس کے واسطے بہتر سے بہتر مواقع فراہم کرو۔

وسائل الشیعہ جلد ۱۵۔ صفحہ ۱۹۸

بحار الانوار جلد ۱۰۷ صفحہ ۸۵

نیز اس باب میں امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام ہی کا ارشاد گرامی ہے:

اَوَّلُ مَا یَبَرُّ الرَّجُلُ وَلَدَہُ اَنْ یُسَمِّیَہِ بِاِسْمٍ حَسَنٍ فَلْیُحْسِنْ اَحَدُکُمْ اِسْمَ وَلَدِہٖ۔

کوئی آدمی ہو ——— اپنے فرزند کے لیے اس کا پہلا نیک کام یہ ہوگا کہ اس کے واسطے ایک خوشنما نام چُنے۔ نیز تم میں سے ہر شخص کو بچّے کی نام گزاری کے وقت نام کے جمالیاتی پہلو پر پوری توجہ دینا چاہیے۔

——— تہذیب الاحکام، جلد ۷، صفحہ ۴۳۷

——— الکافی، جلد ۶۔ صفحہ ۱۸

وسائل الشیعہ ۱۵ صفحہ ۱۲۲

اس حقیقت سے ذرا بھی اختلاف ممکن نہیں۔ کہ "نام" کی خوبیوں اور اس کے بدقوارے پن کا انسان کی شخصیت پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے! اچھّے نام سب کو اچھے لگتے ہیں۔ بُرے ناموں کو کوئی پسند نہیں کرتا۔! اور نام کے "حُسن و قبح" کی وجہ سے جو ایک خوشگوار یا نامناسب ردّ عمل ہوتا ہے، اس سے جسم کی کیمیائی ترکیب بھی مثبت و منفی رنگ قبول کرتی رہتی ہے!

کسی بھی بھلے مانس کو تعارف کے ہنگام ایک سنبھلی ہوئی محفل میں خود کو چھدّن اور باپ کو گھسیٹے کہتے ہوئے تکلیف بھی ہوگی، تکلّف بھی ہوگا اور پھر وہ اس کیفیت کے دوام اور تسلسل کے باعث یقیناً احساس کمتری (Inferiority Complex) میں بھی مبتلا ہو جائے گا۔

اب نام چونکہ پوری زندگی کا ایک نہایت اہم معاملہ ہے۔ بنابریں کاروانِ حیاتِ بشری کو سکون و عافیت سے منزل کمال تک پہونچانے والے قافلہ سالاروں نے اس شعبے میں بھی اپنی نُورافشاں ہدایات سے ہمیں محروم نہیں رکھا۔

نئی نسل کو شروع ہی سے ایک باوقار زندگی کی راہ دکھانے کے لئے اسلام کے "مزاج داں" رہبروں نے ہمارے ایوانِ خیال میں جہاں اور بہت سے چراغ جلائے، وہاں یہ روشن فکر بھی دی کہ ہم اپنی آنکھوں کے تاروں کو نگینے کی طرح ترشے ہوئے ناموں سے سجائیں! تاکہ ہمارے گلشنِ مراد کی کچّی کلیاں جب پھُول بن جائیں تو نام کی حسین ساخت اور اس کے مفہوم کی دل آویز رعنائی سے ان کے پورے وجود میں "رنگ و بو کی ایک" قدِ آدم" اونچی لہریں اُٹھنے لگیں!

دیکھئے! ناموں میں حُسن و زیبائی کا پیمانہ یہ ہے۔ کہ وہ پکارنے میں سہج۔ سننے میں

رسیلے اور لکھنے میں آسان ہوں۔ نیز جن کے معنوں میں شرافت، نسبت میں بزرگی اور جو اپنے دامن میں خیر و برکت کی ایک دنیا لئے ہوئے ہوں!

اب ممکن ہے کچھ لوگ اپنے ماحول اور سطح ذہن کے لحاظ سے کسی نام کی لفظی لطافت اور صوتی حلاوت سے متاثر ہو کر اس پر ریجھ جائیں، مگر اس معاملے میں زبان کا لوچ اور بیان کی لچک ہی کافی نہیں! یہاں عظمت و تقدّس اور تاریخ و روایت کی تمام مناسبتوں کا ملحوظِ خاطر رہنا بھی نہایت ضروری ہے۔ ورنہ جسے بھی ایک نامکمّل نام دیا جائے گا، وہ نہ صرف اپنے "تکریم و تحسین" کے تعیین شدہ حق سے محروم رہے گا، بلکہ اس کی شخصیت سے انصاف بھی نہیں ہو سکے گا! اسی لئے ہمارے ہادیانِ برحق نے بہت کھل کر معیاری ناموں کی نشاندہی کی ہے۔ حضرت امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے کہ سرکار خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فرماتے ہیں:

اَصْدَقُ الْاَسْمَاءِ مَاسُمِّيَ بِالْعُبُودِيَّةِ وَاَفْضَلُهَا اَسْمَاءُ الْاَنْبِيَاءِ۔ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ قَالَ: مَنْ وُلِدَ لَهُ اَرْبَعَةُ اَوْلَادٍ وَلَمْ يُسَمِّ اَحَدَهُمْ بِاسْمِيْ فَقَدْ جَفَانِيْ۔

سب سے سچّے نام تو وہ ہیں جن سے خدا کی بندگی کا اظہار ہوتا ہو اور بہت اچھے نام۔ انبیائے کرام کے اسمائے گرامی ہیں!

فخرِ موجوداتؐ فرماتے ہیں: اگر کسی شخص کے چار بیٹے ہوں، اور وہ ان میں سے کسی کا نام میرے نام پر نہ رکھے تو اس کی جانب سے یہ مجھ پر ظلم ہوگا!

بحار الانوار جلد ۱۰۱ صفحہ ۱۳۰ —— تہذیب الاحکام۔ جلد ۷۔ صفحہ ۴۳۸

صادق آلِ محمدؐ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے دریافت کیا جاتا ہے۔

قِيلَ لِأَبِي عَبْدِاللهِ : إِنَّا نُسَمِّيْ بِأَسْمَائِكُمْ وَأَسْمَاءِ آبَائِكُمْ فَيَنْفَعُنَا ذٰلِكَ؟

فَقَالَ : إِيْ وَاللهِ۔

مولا! ہم لوگ آپ کے بزرگوں کے اسمائے گرامی پر اپنے بچّوں کے نام رکھتے ہیں۔ کیا اس سے ہمیں کوئی فائدہ پہونچے گا؟ امام عالی مقام نے فرمایا: ہاں! بخدا اس سے تمھیں نفع حاصل ہوگا۔

ـــــ بحار الانوار۔ جلد ۱۰۱ صفحہ ۱۳۰

اور باب الحوائج حضرت امام موسیٰ کاظم سلام اللہ علیہ ہدایت فرماتے ہیں:

لَا يَدْخُلُ الْفَقْرُ بَيْتًا فِيهِ اسْمُ مُحَمَّدٍ وَأَحْمَدَ وَعَلِيٍّ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَجَعْفَرٍ أَوْ طَالِبٍ أَوْ عَبْدِاللهِ أَوْ فَاطِمَةَ مِنَ النِّسَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ۔

جس گھر میں (مردوں کے) محمدؐ، احمدؐ، علیؑ، حسنؑ، حسینؑ، جعفرؑ، طالبؑ یا عبداللہؑ نام ہوں اور عورتوں میں کسی کا نام فاطمہؑ ہو، تو اس گھر میں فقر و افلاس کا گزر نہیں ہوسکتا۔!

ـــــ تہذیب الاحکام۔ جلد ۷۔ صفحہ ۴۳۸

" اکرام و احترام " کے باب میں صرف یہی نہیں کہ مناسب اور موزوں نام اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ بلکہ اسلام کا ذخیرۂ علم و ادب بتاتا ہے۔ کہ دین خدا کے رہنماؤں نے بعض موقعوں پر لوگوں کے دل کو مطمئن اور ان کے نفس کو خیر آشنا رکھنے کے لیے "اشخاص اور اماکن" کے ناپسندیدہ ناموں کو بھی تبدیل کیا ہے!

حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السّلام اپنے پدرِ بزرگوار کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں،

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ کَانَ یُغَیِّرُ الْاَسْمَاءَ الْقَبِیْحَۃَ فِی الرِّجَالِ وَالْبُلْدَانِ ۔

لوگوں، شہروں اور بستیوں کے جو نام بُرے ہوتے تھے اللہ کے حبیبؐ انھیں بدل دیا کرتے تھے۔

بحار الانوار جلد ۱۰۱ صفحہ ۱۲۷
قرب الاسناد. صفحہ ۴۵

جن مشاہیر کو آنحضرتؐ نے کوئی تحریری وثیقہ عطا فرمایا ہے ان میں بنو سلیم کے نمائندے راشد بن عبد ربّ بھی ہیں۔ ان کے متعلق حدیث و تاریخ و رجال کے مجموعوں میں لکھا ہے کہ پہلے موصوف کا نام "ظالم" تھا۔ نیز مرزبانی کے مطابق اسلام سے قبل یہ "غوی" (گمراہ) کہلاتے تھے! جب انھیں بارگاہ رسالتؐ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا تو رحمت دو عالمؐ نے پُرانا نام بدل کر اسے رَاشد کر دیا۔

مکاتیب الرسولؐ از علی بن حسین علی الاحمدی جلد ۳ صفحہ ۴۴۸

اسی طرح ایک اور بزرگ ابو راشد عبد الرحمٰن ازدی ہیں۔ "اسد الغابہ" کے مؤلف ابن اثیر بتاتے ہیں کہ یہ فلسطین کے رہنے والے تھے۔ غالباً ۹ھ میں انھیں حضور پُر نورؐ کی زیارت نصیب ہوئی۔

آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا: مَا اِسْمُکَ ؟ تمہارا نام کیا ہے؟

عرض کی۔ عبد العزّیٰ۔ ارشاد ہوا، اور کنیّت؟ ادب کے ساتھ جواب دیا۔ ابو مغاویہ یہ سُن کر سرورِ کائناتؐ نے فرمایا: اَنْتَ اَبُوْ رَاشِدْ عبد الرَّحْمٰن۔ آج سے تمہاری کنیت ابو راشد اور نام عبد الرحمٰن ہے۔

مکاتیب الرسول جلد ۲۔ صفحہ ۳۷۲

امام مسلم بن حجاج نے اپنی صحیح کی کتاب الآداب میں اور ابو داؤد نے سنن کی کتاب الآداب میں یہ حدیث درج کی ہے۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اَنَّ اِبْنَۃً لِعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کَانَتْ یُقَالُ لَھَا عَاصِیَۃُ فَسَمَّاھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، جَمِیْلَۃَ۔

ابنِ عمرؓ کہتے ہیں کہ: عمر ابن خطّاب رضی اللہ عنہ کی ایک لڑکی کا نام عاصیہ (گنہگار = نافرمان) تھا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بدل کر اس کا نام جمیلہ رکھ دیا۔

صیحح مسلم جلد ۱۴۔ صفحہ ۱۱۹ مطبوعہ بیروت

سنن ابو داؤد۔ جلد ۴۔ صفحہ ۲۸۸۔ مطبوعہ بیروت

الغرض! نام گزاری کے سلسلے میں ہمیں جو ہدایات ملی ہیں، ان میں کسی قسم کی رُو رعایت کا پہلو نظر نہیں آتا۔! نام ڈھنگ کا ہو، نفیس ہو اور با مقصد ہو۔ ہمارے پیشواؤں نے جن ناموں میں ناشائستگی اور بے تکے پن کا شائبہ پایا۔ ان کے بدلے یا تو بہتر نام عنایت فرما دیئے اور یا پھر وہ افراد جنھیں اپنے نام و لقب کی تلخی کا احساس نہیں تھا، ان کی اس بے حسی کا مداوا فرمایا!

زُرَارہ ابن اَعْیَن شَیْبَانی جیسے ثقہ دانشور نے سرکار باقر العلوم امام محمّد باقر علیہ السّلام کی زبان اقدس سے سُن کر یہ روایت ہم تک پہونچائی ہے۔

عَنْ زُرَارَۃَ۔ قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا جَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَقُوْلُ:

إِنَّ رَجُلاً كَانَ يَغْشٰى عَلِيَّ ابْنَ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَ كَانَ يُكَنّٰى أَبَا مُرَّةٍ. فَكَانَ إِذَا اسْتَأْذَنَ عَلَيْهِ يَقُوْلُ: أَبُوْ مُرَّةٍ بِالْبَابِ۔ فَقَالَ لَهُ عَلِيُّ ابْنُ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: بِاللّٰهِ إِذَا جِئْتَ إِلٰى بَابِنَا فَلَا تَقُوْلَنَّ أَبَا مُرَّةٍ۔

زرارہ کہتے ہیں کہ: حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے بیان فرمایا۔کہ: ایک شخص جس کی کنیت[1] ابو مرّہ تھی وہ اکثر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا اور جب بھی آتا اپنی کنیّت بتا کر باریابی کی اجازت طلب کرتا۔ایک مرتبہ امام عالی مقام نے جیسے ہی اس کی کنیت سماعت فرمائی۔ارشاد ہوا: خدا کے واسطے تم آیندہ یہاں آئے تو ابو مرّہ کہہ کر اپنی شناخت نہ کروانا۔

یاد داشت: ابو مرّہ شیطان کا لقب ہے[2] الکافی۔جلد ۶۔صفحہ ۲۱

عزّت دینے اور دل رکھنے کا دوسرا رخ جسے کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، وہ ہے "توجہ"! ہر بچے کو اپنی باتوں کے ذریعے، اپنے کھیل کود کے وسیلے یا ننّھے ننّھے کاموں کے سہارے اپنی ذات کے اظہار نیز اپنی خودی کو مطمئن کرنے کے لیے ہمہ وقت بڑوں کا التفات درکار ہوتا ہے اور سرپرستوں پر لازم ہے کہ وسعت قلب کے ساتھ ان کی اس ضرورت کو پورا کریں ہم اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ صرف نئی پود کی بات نہیں پرانے لوگ بھی یہی کچھ چاہتے ہیں! یعنی! وہ جب بات کریں تو مخاطب، گوش برآواز ہوں۔سننے والے

---

[1] کنیت = لقب SURNAME

[2] ارباب لغت بھی یہی کہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: المنجد صفحہ ۷۵۳۔ستائیسواں ایڈیشن۔طبع بیروت

ان کی گفتگو کو خاطر خواہ اہمیت دیں اور اسی عنوان سے اگر وہ اپنے کسی دل پسند تفریحی مشغلے میں لگے ہوئے ہیں تو یہی چاہیں گے کہ ان کی مصروفیت، دخل اندازی اور طنز و تعریض سے محفوظ رہے۔

نیز اگر وہ کوئی کام انجام دے رہے ہیں تو دل میں یہ آرزو ضرور مچل رہی ہوگی کہ اور نہیں تو کم از کم متعلقہ حلقوں میں اس کاوش کی قدر ہو، اس کی قیمت پہچانی جائے!

سوچئے تو سہی! آخر بچّے بھی تو انسان ہیں۔ چھوٹے ہوئے تو کیا! آخر قدرت نے انھیں بھی تو ہوش و حواس اور فہم و ادراک کے ساتھ ذوق و شوق اور رغبت و نفرت جیسی کیفیتوں سے نوازا ہے۔ اپنے بزرگوں کی طرح یہ خورد سال بھی "توقیر و تحقیر" کی اداؤں سے واقف ہوتے ہیں!

اور جب یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے تو پھر کوئی سبب نہیں کہ بے توجہی کے ہاتھوں ہم اپنے نونہالوں کے احساس کی نرم نرم کونپلوں اور ان کے جذبات کے نازک نازک سے شگوفوں کی رکھوالی کرنے کے بجائے انھیں بے دردی سے مسل ڈالیں؟

نُور کی شہزادی اور صحن عالم کی مثالی خاتون جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا اکثر و بیشتر اپنے بڑے فرزند حسنؑ مجتبیٰ سے محفلِ رسالتؐ کی "رو داد" سُنا کرتی تھیں! اور موقع ملتا تو حکیم الٰہی امیر المومنین علی ابنِ ابی طالب علیہ السّلام کو بھی دعوت دیتیں، اور زبانِ حال سے کہتیں کہ آپ بھی سنئے، اور اپنے بیٹے حسنؑ کے حُسنِ بیان کی داد دیجیے! [1]

تاریخ وحدیث پر دسترس رکھنے والے بتاتے ہیں کہ حضور پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کمال شوق سے اپنے چھوٹے نواسے حسینؑ ابن علیؑ کے ساتھ کھیل میں حصّہ لیا کرتے تھے![۵۲]

اولاد کے حوالے سے "تکریم وتحسین" کی یہ بہت بڑی مثالیں ہیں۔ ان نظائر سے تربیت کی راہوں اور بچّوں کو پروان چڑھانے کی منزل میں ہر دور کے ذہنوں کو تقویت اور ہر زمانے کی فکر کو اطمینان نصیب ہو سکتا ہے۔!

اور اس ضمن میں سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ "بال بچوں" کے رہنے سہنے کا ماحول امن وسلامتی کی آماجگاہ ہو۔ یعنی! گھر کے کونے کونے سے "خیر وعافیت" کی بھینی بھینی خوشبو آتی رہے!

عائلی زندگی کے بارے میں قرآن حکیم نے ہمیں یہ فلسفہ عطا فرمایا ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے واسطے شریک زندگی کی تخلیق فرمائی تاکہ چین سے گزر بسر کر سکو اور خدا نے تم میں چاہ پیار کے جذبے بھی پیدا کئے، یقیناً اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ سورہ روم۔ آیت: ۲۱

---

۵۲ مناقب ابن شہر آشوب۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۴۸، بحار الانوار جلد ۱۰، صفحہ ۹۳۔ الادب المفرد، امام بخاری صفحہ ۱۰۴ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۔ استیعاب ابن عبد البر جز ۱ صفحہ ۱۴۴۔ اشعۃ من حیاۃ الحسین۔ استاذ عبد اللہ العلائلی۔

گھر۔ صحن و بام و در و دیوار اور ساز و سامانِ خوش آثار، کا نام نہیں! گھر اس مقام کو کہتے ہیں، جہاں رہنے والوں کو نفس نفس محبّت اور قدم قدم سکون میسّر آئے۔

اسلام چاہتا ہے کہ ہر گھر نمونے کی جگہ ہو! اسی لیے شریعت نے اس قسم کے قانون قاعدے نافذ کئے ہیں کہ ایک کنبے میں سب کے حقوق و فرائض روشن اور محفوظ رہیں۔ نیز ہر خاندان اپنے راحت کدے میں سو پوں سُکھ کے موتی رولتا رہے!

ہاں! اس اہتمام میں یہ حکمت نمایاں ہے کہ جب گرد و پیش کے حالات اطمینان بخش ہوں گے، تو اس خوشگوار فضا میں پلنے والی نئی نسل بھی بڑی ہشاش بشاش ہوگی اور آنے والے دور کے لیے صاف ستھرے شہریوں میں اضافے کا باعث قرار پائے گی۔!

لیکن! خدا نہ کرے اگر کہیں خانگی زندگی میں تشنّج ہے، تو اس کھنچاؤ کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ننّھے منّے بچّوں کے اعصاب بھی لپیٹ میں آئیں گے جس سے ان معصوم جانوں کی نشو و نما پر بے حد مضر اثرات مرتب ہوں گے۔ خیال رہے! اس کمسن مخلوق کو غالباً اپنی بعض قدرتی کمزوریوں کی بنا پر "ماں سے غیر معمولی لگاؤ ہوتا ہے اور اسی وجہ سے بچے، "ماں" کی شخصیّت کو نسبتاً زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔!

بنابریں اگر کوئی تندخو، تیز مزاج باپ، اُٹھتے بیٹھتے اولاد کے سامنے ان کی "ماں" کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ ذلیل کرتا ہے۔ تکلیف پہونچاتا ہے تو پھر یہ طے شدہ امر ہے کہ بچّوں کے احساسات میں ایک تہلکہ مچ جائے گا اور وہ نفسیّاتی طور پر عام بچّوں جیسے نہیں رہیں گے! اور اسے انسانی معاشرے کے لیے ایک انتہائی اندوہ ناک صورت حال سمجھنا چاہئے!

چنانچہ جب ہم مذہب کا قدرے تفصیلی مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی نے تربیت کے ذریعے اچھے سے اچھے، نئے ذہن تشکیل دینے کا پورا بندوبست کیا ہے۔

قبلاً بڑے شرح و بسط کے ساتھ لکھا جا چکا ہے کہ "نوخیز نسل" کو ستائش اور قدر دانی کی بڑی طلب ہوتی ہے۔ اسی لیے دین خدا نے ہمیں ہر جہت اور ہر اسلوب سے ان کی اس مانگ کو پورا کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ لیکن! معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا! ہر بچہ جہاں یہ چاہتا ہے کہ اسے آنکھوں سے لگا کر اور کلیجے سے چمٹا کر رکھا جائے۔ وہاں اس کی یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ اسکی "ماں" کو بھی شایان شان مقام شرف حاصل ہو!

اسی باعث ہمارے سراپا حق رہبروں نے ارشاد فرمایا کہ:-

ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کی "ماں" کے اعزاز و احترام کے تقاضوں کو بھی اپنے فرض منصبی اور اولاد کے "ایک مسلّمہ حق" کے طور پر قبول کرے۔

سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حوالے سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام فرماتے ہیں:

عَنْ اَبِی عَبْدِ اللّٰہِ الصَّادِقِ عَلَیْہِ السَّلَامُ:۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ: حَقُّ الْوَلَدِ عَلٰی وَالِدِہٖ اِذَا کَانَ ذَکَرًا اَنْ یَسْتَفْرِہَ اُمَّہُ ..... وَاِذَا کَانَتْ اُنْثٰی اَنْ یَسْتَفْرِہَ اُمَّھَا۔ الخ۔

ہر فرزند نرینہ کا اپنے باپ پر یہ حق ہے کہ وہ اس کی ماں کے ساتھ عزّت و حرمت سے پیش آئے اور اسی طرح ہر لڑکی یہ حق رکھتی ہے کہ وہ اپنی ماں کے سلسلے میں اپنے باپ کو تعظیم و توقیر کے قاعدوں پر عمل پیرا ہوتے ہوئے دیکھے۔!

وسائل الشیعہ جلد ۷۔ صفحہ ۱۹۹

محبّت و شفقت

بچّوں کی چھپی ہوئی صلاحیت، پوشیدہ استعداد اور سنبھلی ہوئی نفسیات کی نشوونما کے لیے "محبت و شفقت" موسمِ گل کا کام دیتی ہے!

ہمارے وہ نونہال جو بزرگوں کے "پیار" سے محروم رہتے ہیں یا جنھیں "ادھوری چاہت" ملتی ہے ان کے دل و دماغ کو وہ تازگی اور شادابی میسّر نہیں آتی جو زندگی کے پورے سفر میں ان کے رنگ روپ اور ہمّت و توانائی کو محفوظ رکھ سکے۔

نگاہ عاطفت کے ترسے ہوئے، عہد طفلی میں بھی چونچال نہیں رہتے۔ ان کی جوانی بھی بڑی پھیکی سیٹھی سی لگتی ہے اور پھر بڑھاپے کا زمانہ تو بس! مایوسیوں کا ایک مٹا مٹا

سانشان معلوم ہوتا ہے! اسی لیے مستقبل کے جن شہریوں کی اُٹھان میں مہر و الفت کی آمیزش نہ ہو اُن سے اپنی سماج کے لیے کچھ زیادہ اچھی توقعات نہیں قائم کی جا سکتیں!

معاشرے کے ایسے افراد جو نفسیات فاسدہ (Abnormal Psychology) کے اسیر ہوتے ہیں اور جن کی شخصیت میں توازن کا فقدان نظر آتا ہے، ان میں زیادہ تر وہ لوگ دکھائی دیں گے جو اپنے بچپن میں "چاؤ چونچ" سے نہیں پلے یا جنھیں کمسنی میں ماں باپ کے پیار کی ٹھنڈی چھاؤں نہیں نصیب ہو سکی!

اس بارے میں اسلامی احکام یہ ہیں کہ جن اشخاص پر بچوں کے پالنے پوسنے کی ذمے داری ہو ان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ تربیت کے کام کو معیاری بنانے کے لیے "محبت و شفقت" کے جذبوں کو مصنوعی طریقے سے چھپائے نہ رکھیں، بلکہ ان کے قدرتی اظہار میں فیاضی کا ثبوت دیں۔

صادق آلِ محمدؐ صلوات اللہ علیہ اپنے جد نامدار سرکار خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

مَنْ قَبَّلَ وَلَدَهُ كَتَبَ اللهُ لَهُ حَسَنَةً وَمَنْ فَرَّحَهُ فَرَّحَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔

جو کوئی اپنے بچے کو پیار کرے گا (چومے گا) اللہ کی رحمت سے اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی بڑھ جائے گی اور جو اپنے بچے کو خوش کرے گا، پروردگارِ عالم قیامت کے دن اسے شاد فرمائے گا۔

——— وسائل الشیعہ، جلد ۱۵، صفحہ ۱۹۴

اور سرور کونین صلوات اللہ وسلامہ علیہ نے ایک موقع پر یوں تاکید فرمائی ہے،

اَکْثِرُوا مِنْ قُبْلَةِ اَوْلَادِکُمْ فَاِنَّ لَکُمْ بِکُلِّ قُبْلَةٍ دَرَجَةٌ فِی الْجَنَّةِ ۔

تم اپنے بچّوں کو خوب پیار کیا کرو۔ کیونکہ جتنے دفعہ پیار کرو گے۔ ہر پیار کے بدلے تمھیں جنّت میں ایک درجہ حاصل ہوگا۔

________ روضۃ الواعظین صفحہ ۳۰۸

________ وسائل الشیعہ جلد ۱۵، صفحہ ۲۰۲

ترغیب وتشویق کے ان عنادین سے ظاہر ہوتا ہے کہ دین توحید یہ چاہتا ہے کہ ہم اپنی اولاد کو "سرد مہری" کا عادی نہ بنائیں، بلکہ "گرم دلی" کے ساتھ انھیں جیتے جاگتے جذبوں کی تڑپ سے مانوس کریں، تاکہ چمکتے دمکتے خلوص، کی ریت آگے بڑھے اور جھلجھلاتے ہوئے ذہنوں کا پرتوِ فیض، دنیا جہان میں روشن رہے نیز اسی قسم کی ایک اور حدیث! جو ملّت اسلامیہ کے بزرگ دانشمند جناب عبد اللہ ابن عبّاس کے ذریعے ہم تک پہونچی ہے! حدیث کی عبارت یہ ہے:

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَنْ فَرَّحَ اِبْنَتَہٗ فَکَاَنَّمَا اَعْتَقَ رَقَبَةً مِنْ وُلْدِ اِسْمٰعِیْلَ وَمَنْ اَقَرَّ عَیْنَ اِبْنٍ فَکَاَنَّمَا بَکٰی مِنْ خَشْیَةِ اللّٰہِ ۔

سرتاج انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: جو آدمی اپنی بیٹی کو مسرّتوں سے سرشار کرے اس کا کردار اس جیسے شخص کی طرح ہوگا جو حضرت

اسمٰعیلؑ کے فرزندوں میں سے کسی کو غلامی کے بندھن سے چھٹکارا دلادے اور جو کوئی اپنے بیٹے کی آنکھوں کو سکھ پہونچائے وہ خوف خدا سے اشکباری کرنے والوں میں شمار کیا جائے گا۔

——— مکارم الاخلاق۔ صفحہ ۱۱۴

——— وسائل الشیعہ جلد ۱۵۔ صفحہ ۲۰۳

اچھا! ——— محمد ابن اسمٰعیل بخاری لکھتے ہیں:

حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ الْمِنْهَالِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَدِیٌّ، قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ، رَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ وَالْحَسَنُ عَلٰی عَاتِقِہٖ، یَقُوْلُ: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ، فَأَحِبَّہٗ۔

حجاج ابن منہال اور شعبہ کے مطابق۔ عدی کا بیان ہے کہ انھوں نے براء ابن عازبؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسن ابن علیؑ کو اپنے دوش اقدس پر اُٹھائے ہوئے تھے اور زبان مبارک پر یہ دعا تھی: پروردگارا! میں اسے چاہتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما۔

——— (صحیح بخاری جلد ۲۔ جزء ۵

باب مناقب الحسنؑ والحسینؑ

صفحہ ۳۳۔ طبع دار الجیل بیروت)

نیز صحیح مسلم میں یہ جملہ بھی ہے : وَاَحْبِبْ مَنْ یُحِبُّہٗ ۔ اور مالک! جو اسے چاہے تو اس محبّ کو بھی اپنی نگاہ عاطفت سے نواز۔

— صحیح مسلم جلد ۱۵ کتاب الفضائل صفحہ ۱۹۳
طبع بیروت

اے لیجیے! سرگرمیٔ شوق کا یہ عالم بھی دیکھئے اور دل وار دیجیے! مشہور راوی ابوہریرہؓ کی روایت ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: اَبْصَرَ الْاَقْرَعُ بْنِ حَابِسٍ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یُقَبِّلُ الْحَسَنَ وَقَالَ ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ فَقَالَ اِنَّ لِیْ مِنَ الْوُلْدِ عَشَرَۃً مَا قَبَّلْتُ اَحَدًا مِنْھُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّہٗ مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ۔

اس بات کو ہم اپنی زبان میں کہنا چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں: ایک مرتبہ کا ذکر ہے! ہمارے پیارے نبیؐ اپنے بڑے نواسے حسنؑ مجتبیٰ کو پیار کر رہے تھے ہاں! ابن ابی عمر کا بیان ہے کہ چھوٹے نواسے حسین بھی موجود تھے اور نانا ان کے بھی بوسے لے رہے تھے۔ یہ کیفیت دیکھ کر اقرع ابن حابس سے نہ رہا گیا! اور بے ساختہ بول اٹھا: میرے تو دس لڑکے ہیں۔ لیکن، میں نے کبھی کسی کو اس طرح سے نہیں چوما چاٹا!

پیغمبرِ رحمتؐ نے یہ سُن کر ارشاد فرمایا: جو آدمی کسی اور پر شفقت و مہربانی نہیں کرتا وہ خود دوسروں کے لطف و مرحمت سے محروم رہتا ہے۔!

-جامع ترمذی جلد۱ صفحہ ۶۹۰ طبع گجرانوالہ

_______ وسائل الشیعہ جلد ۱۵ صفحہ ۲۰۳

حضرت صادق آلِ محمدؐ کی سند سے سرورِ کونین کا ایک اور فرمان:۔

جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ فَقَالَ: مَا قَبَّلْتُ صَبِيًّا لِیْ قَطُّ فَلَمَّا وَلّٰى قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ هٰذَا رَجُلٌ عِنْدِیْ مِنْ اَهْلِ النَّارِ۔

ایک شخص نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کی: میں نے اپنی اولاد میں سے کبھی کسی کو پیار نہیں کیا۔ اجب وہ چلا گیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا میرے نزدیک یہ آدمی جہنمی ہے۔

_______ وسائل الشیعہ جلد ۱۵۔ صفحہ ۲۰۲

مگر اس کا خیال رکھنا بھی بہت ضروری ہے کہ اگر کسی گھر میں ایک سے زیادہ بچے ہوں تو سب کے ساتھ یکساں سلوک ہونا چاہیے۔ تاکہ شروع ہی سے انھیں عادلانہ روش اور مساویانہ برتاؤ کی عادت پڑے۔ کسی موقع پر بھی جانب داری سے کام نہ لیا جائے اور خاص طور سے "لاڈ پیار" میں تو کم و بیش کا احساس بالکل نہ پیدا ہونے دیا جائے بچے بڑے حساس ہوتے ہیں۔ ذرا سے فرق کو بھی بھانپ لیتے ہیں اور اگر کسی "نونہال" نے یہ دیکھا کہ "ایک آنکھ میں لہر بحر اور ایک آنکھ میں خدا کا قہر" تو وہ اس رویے سے دل ہی دل

میں کڑھے گا، اور پھر ناآسودگی اس کے دماغ میں جگہ کرلے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بڑے ہونے کے بعد اسے اطمینان کی زندگی بسر کرنے کے لیے صحیح جہت تلاش کرنے میں خاصی مشکلیں پیش آئیں گی!

اسی وجہ سے شارع مقدس کا اصرار ہے کہ اولاد کے لیے ہم کسی لمحے بھی دوہرا معیار نہ اپنائیں۔ الگ الگ انداز نہ اختیار کریں۔

چنانچہ زیر نظر مسئلے میں حضورؐ ہادی برحق کی یہ حدیث حکمت کا خزانۂ عامرہ ہے۔

نَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِلٰی رَجُلٍ لَہُ اِبْنَانِ فَقَبَّلَ اَحَدَھُمَا وَتَرَکَ الْآخَرَ فَقَالَ النَّبِیُّ فَھَلَّا وَاسَیْتَ بَیْنَھُمَا۔

سرتاج رسلؐ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنے دو بچوں میں سے ایک کو تو پیار کیا! مگر دوسرے کی طرف توجہ نہیں دی! آنحضرتؐ نے یہ ملاحظہ فرماتے ہی اسے متنبہ کیا۔: اللہ کے بندے! محبت کے اظہار میں تو نے اپنے دونوں بیٹوں کے درمیان انصاف سے کام نہیں لیا۔!

——— وسائل الشیعہ جلد ۱۵ صفحہ ۲۰۴

——— من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۷

بہرکیف! مہر و الفت کے بغیر نہ ہمیں اچھے فرزند مل سکتے ہیں، نہ سماج کو سنبھلے ہوئے سپوت میسر آسکتے ہیں اور نہ دنیا کو بھروسے کے آدمی نصیب ہوسکتے ہیں!

مگر "محبت و شفقت" کو روبکار لانے میں اعتدال ضروری ہے۔ جو بڑے ہیں وہ

نہ تو خود کو اس درجہ، روکھا سوکھا، کڑوا کسیلا بنائے رکھیں کہ معصوم جانیں اپنے آپ سے نفرت کرنے لگیں، اور نہ ان ننھے منّوں کو دیکھتے ہی "ریشہ خطمی" بن جائیں اور ان کے اتنے نخرے اُٹھائیں کہ یہ ہاتھ سے بے ہاتھ ہو جائیں۔!

دیکھئے! افراط و تفریط سے حیات انسانی کے ہر شعبے کو نقصان پہونچتا ہے۔ بچّے بھی اس قاعدے سے الگ نہیں! جب پالنے والوں کا "لاڈ پیار" انتہا کو پہونچ جاتا ہے۔ تو راج دلارے بگڑ جاتے ہیں!

جو بچّے سمجھدار ہو چکے ہوں، لیکن! پھر بھی بلا کے ضدی ہٹی، اڑیل، اٹھلائے، اترائے، گستاخ، بدتمیز، منہ پھٹ، زبان دراز اور قابو سے باہر دکھائی دیں، تو بس! سمجھ لیجیے کہ یہ سب بزرگوں کی بے جا ناز برداری کا ظہورہ۔ اور مستقبل کے لیے بہت بُرا شگون ہے!

اسی باعث سرکار باقر العلوم حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا۔

شَرُّ الْآبَاءِ مَنْ دَعَاهُ الْبِرُّ اِلَى الْاِفْرَاطِ۔

سب سے بُرے ماں باپ وہ ہیں جو اپنے بچّوں کو چاہنے، خوش کرنے اور ان کا دل رکھنے کے سلسلے میں حدوں سے گزر جاتے ہیں۔!

———— تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۳

———— حیاۃ الامام محمدؑ الباقرؑ

باقر شریف القرشی جلد ۱ صفحہ ۳۱۲

علم و ہنر

آدمی کو "علم و ہنر" ہی کے ذریعے فروغ ملتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ "دانش و آگہی" کے بغیر انسان ناتمام رہتا ہے!

بنابریں، اسلامی تحریک کے آغاز پر "وحی کی زبان" سے جو پہلی بات "فردوس گوش" بنی، وہ یہ تھی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

اے نبیؐ! تم اپنے اس پالنے والے کا نام لے کر پڑھو، جو ساری کائنات کا خالق ہے۔ اسی نے تو آدمی کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ ہاں! پڑھو، اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔ اسی نے انسان کو وہ کچھ بتایا جو وہ جانتا ہی نہیں تھا۔

——— سورۂ علق پ۳۰۔ آیات: ۱ تا ۵

اور پیغمبر خاتم نے فہم و ادراک کے قافلے کو رواں دواں رکھنے کے لیے جو معجزانہ روش اختیار فرمائی اس سے کتنی جلدی اور دور دور تک روشنی پھیلی، اور کس تیزی سے ایک بالکل اَن پڑھ قوم، صرف باسواد ہی نہیں بن گئی، بلکہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ساری دنیا کو سبق پڑھانے لگی!

یہاں تاریخی تفصیل پیش کرنے کا کوئی ارادہ نہیں، مدعا بس، یہ ہے کہ ہر شخص اس بات کو گرہ میں باندھ لے کہ تربیت کے دوران اگر ہم نے اپنی اولاد کے صفحۂ ذہن پر "علم و عرفان" کی عظمت و اہمیت کا گہرا نقش نہیں بٹھایا تو غضب ہو جائے گا!

فکر و فرہنگ سے عاری زندگی، اس تپتے ہوئے صحرا کی سی ہے جس میں حدِ خیال تک نہ پانی ملے، نہ سایہ نصیب ہو!

سرکار رحمۃ للعالمینؐ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ اللہَ یُطَاعُ بِالْعِلْمِ وَیُعْبَدُ بِالْعِلْمِ وَخَیْرُ الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ مَعَ الْعِلْمِ وَشَرُّ الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ مَعَ الْجَھْلِ۔

اللہ کے حکم پر عمل پیرا ہونے کے واسطے علم کی ضرورت ہے۔ اس کی بندگی

بجالانے کے لیے علم درکار ہے۔ دنیا کی اچھائی اور آخرت کی بھلائی کا دارومدار علم پر ہے، اور دونوں جہان کی بُرائی جہل سے وابستہ ہے۔!

مشکوٰۃ الانوار صفحہ ۱۳۶

اور جناب امیر علیہ السّلام فرماتے ہیں:

لَيْتَ شِعْرِيْ اَيُّ شَيْئٍ اَدْرَكَ مَنْ فَاتَهُ الْعِلْمُ بَلْ اَيُّ شَيْئٍ فَاتَ مَنْ اَدْرَكَ الْعِلْمَ۔

کاش! مجھے بھی معلوم ہوتا کہ جو آدمی علم سے محروم رہا اسے کیا حاصل ہوا۔ اور جو دانش وبینش کی نعمت سے بہرہ مند ہے اسے کیا نہیں ملا۔؟

(نہج البلاغہ شرح ابن ابی الحدید جلد ۲۰ صفحہ ۲۸۹ طبع مؤسسۂ اسماعیلیان۔ قم

نیز سرکارِ ولایت مآبؑ ایک اور موقع پر کسی مردِ مؤمن سے خطاب فرماتے ہوئے انسانی بصیرت میں یوں جان ڈالتے ہیں:

يَامُؤْمِنُ! اِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ وَالْاَدَبَ ثَمَنُ نَفْسِكَ فَاجْتَهِدْ فِيْ تَعَلُّمِهِ فَمَا يَزِيْدُ مِنْ عِلْمِكَ وَاَدَبِكَ يَزِيْدُ فِيْ ثَمَنِكَ وَقَدْرِكَ۔

ایمان قبول کرنے والے! سُن! یہ علم و ادب کا سرمایہ تیرے وجود کی قیمت ہے۔ اس کے حصول میں ممکن جدوجہد سے کام لے، کیونکہ جس

تناسب سے تیرے علم وادب میں اضافہ ہوگا اسی نسبت سے تیری قدر و قیمت بھی بڑھتی جائے گی۔

——— مشکوۃ الانوار۔ صفحہ ۱۳۵

میر قافلۂ حکمت و آگہی جناب امیرؑ ایک اور جگہ اس عنوان سے رہنمائی فرماتے ہیں

اَلْعِلْمُ اَصْلُ کُلِّ خَیْرٍ وَالْجَھْلُ اَصْلُ کُلِّ شَرٍّ

تمام خوبیوں کا سرچشمہ علم ہے اور ساری خرابیاں جہل و نادانی سے پیدا ہوتی ہیں۔

——— غرر الحکم۔ صفحہ ۲۹

ہمارے چوتھے رہبر حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام جس وقت بھی زیرِ تعلیم نوجوانوں کو دیکھتے تھے تو انھیں اپنے قریب بلا کر فرماتے تھے۔

مَرْحَبًا بِکُمْ اَنْتُمْ وَدَائِعُ الْعِلْمِ وَیُوْشِكُ اِذَا اَنْتُمْ صِغَارُ قَوْمٍ اَنْ تَکُوْنُوْا کِبَارَ آخَرِیْنَ۔

شاد و آباد رہو! تم علم کے محافظ اور دانش کے پاسبان ہو۔ آج ایک قوم کے نوخیز فرزندوں میں تمہارا شمار ہے۔ مگر کل کے بدلے ہوئے معاشرے میں تم ہی بڑے کہلاؤ گے، بزرگ سمجھے جاؤ گے۔

——— بلاغۃ علی بن الحسین صفحہ ۹۳

اور حضرت صادق آل محمد امام جعفر صادق علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں:

اَلنَّاسُ ثَلَاثَةٌ۔ عَالِمٌ وَمُتَعَلِّمٌ وَغُثَاءٌ۔

دنیا میں بس! تین طرح کے لوگ ہیں۔ وہ جو پڑھ لکھ کر فارغ ہو چکے ہیں

جو ابھی پڑھنے میں مصروف ہیں اور وہ جنہیں خس و خاشاک کہنا چاہئے!

یعنی! جو نہ صاحب علم ہیں اور نہ طالب علم! (الکافی جلد ۱، صفحہ ۲۶) تہران

مگر ملحوظ خاطر رہے کہ حرفوں کے جاننے اور لفظوں کے پہچاننے کو علم نہیں کہتے! بلکہ تربیت کے ذریعے جب دل و دماغ کی وہ ساخت اور ذہن و فکر کی وہ تشکیل مکمّل ہو جائے جس میں تہذیب کا نکھار، ثقافت کا رچاؤ، حقیقت شناسی کا حُسن اور انجام بینی کا کمال نظر آنے لگے تب سمجھنا چاہیے کہ ہاں! اب علم کے آثار نمود کر رہے ہیں!

دیکھیے! کسی تحریر کے پڑھ لینے یا عبارت کے لکھ لینے، اسی طرح بعض اصطلاحوں سے واقفیّت اور چند خاص قسم کے اداروں سے کسی عنوان کے گواہی نامے (Certificate) یا سند (Degree) کی دستیابی کے باعث کھانے کے لیے روٹی، پہننے کے لیے کپڑے اور رہنے کے واسطے مکان کا مسئلہ تو حل ہو جاتا ہے۔ لیکن! یہ معرکہ سر نہیں ہوتا کہ آدمی کے اندر اس طرح کا انقلاب کروٹیں لینے لگے جس کی وجہ سے اس میں معیاری اصول و نظریات کو اپنانے کی للک پیدا ہو جائے، وہ زندگی کے تمام حرکات و سکنات کو منظم رکھنے کے لیے ایک اچھا سا پیمانہ تلاش کرلے۔ اسے قدرت کی دی ہوئی مختلف صلاحیتوں کو سلیقے سے استعمال کرنے کا طریقہ آجائے اور وہ اپنی تخلیق کے مقصد سے آگاہ نیز اس کے حصول کے لیے ہمہ جاں سعی و عمل بن جائے۔!

اچھا! ان تمام باتوں کو علمی خصوصیّات کی الف۔ بے۔ سمجھنا چاہیے اور اگر یہ ا۔ ب۔ بھی کسی کے مزاج میں پیوست ہو جائے تو یقین مانئے یہ اس کی بڑی جیت ہوگی!

اب ایک تربیت دھندہ کو زیر تربیت اطفال کے "نارسیدہ ذہن" کے نازک سے پردے پر "علم و دانش" کی بالکل صحیح، سچے رنگوں کے ساتھ انتہائی کشش انگیز اور حد درجہ واضح تصویر نقش کرنے کے لیے ہر حالت میں ان چند امور کی پابندی کرنا پڑے گی۔

ایک تو یہ کہ سرپرست اچھی طرح جانتے ہوں کہ بچّوں کی پڑھائی کے سلسلے میں انھیں کیا کردار انجام دینا پڑے گا۔!؟

اس ضمن میں پہلا کام تو یہ کہ جس قدر ممکن ہو، دل چسپ ذریعوں سے وہ اپنے نونہالوں کو "نوشت و خواند" کا چسکا ڈالیں۔ اور جب انھیں اس سے لگاؤ ہو جائے تو سن وسال کا خیال رکھ کر، رساں رساں انھیں "علم و ہنر" کی اہمیت کا احساس دلانا شروع کریں۔

مگر خود والدین کو یہ حقیقت معلوم ہونا چاہیے کہ "اسلامی فلسفے" کے مطابق فکر و عمل کا وہ تمام ذخیرہ جو ملّت مسلمہ کی تعمیر و ترقی اور اسلامی ریاست کی بقا اور استحکام کے لیے ضروری ہو، اس کا حاصل کرنا فرض ہے۔ البتہ غیر ضروری مضامین پر وقت، توانائی اور دولت صرف کرنا اسراف ہے۔

جناب امیر علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں:

مَنِ اشْتَغَلَ بِالْفُضُوْلِ فَاتَهُ مِنْ مُهِمِّهِ الْمَأْمُوْلُ۔

جو فضول کاموں میں لگا رہے گا وہ زندگی کی واقعی مہم کو سر کرنے کی خواہش پوری نہیں کر پائے گا۔

(غرر الحکم، صفحہ ۶۶۹)

اور حضرت علیؑ ہی کا یہ فرمان ہے۔

اَوْلَی الْاَشْیَاءِ اَنْ یَتَعَلَّمَهَا الْاَحْدَاثُ الْاَشْیَاءُ الَّتِیْ اِذَا صَارُوْا رِجَالاً اِحْتَاجُوْا اِلَیْهَا

نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ ان مضامین پر زیادہ توجہ دیں جو بڑے ہونے کے بعد ان کے کام آئیں۔

——— شرح ابن ابی الحدید جلد ۲۰ صفحہ ۲۸۱، جلد ۲۰ صفحہ ۳۳۱

نیز ذہن و ضمیر کی رہنمائی کے لیے جناب امیر کا ایک اور حرف کمال فرماتے ہیں

شَرُّ الْعِلْمِ مَا اَفْسَدْتَ بِهٖ رَشَادَكَ: جس علم سے تم اپنی زندگی کی سیدھی راہ کھو بیٹھو۔ اس سے بدتر اور کوئی علم نہیں۔!

——— غرر الحکم۔ صفحہ ۴۴۴

ہاں! اس بات پر مزید توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ اسلام کا نظام حیات صرف کتاب خوانی کو علم نہیں مانتا۔ بلکہ تفکر۔ تدبر اور تعقّل کی راہ دکھاتا ہے۔ نیز کارآمد نظریات، تجربات اور مہارتوں کو اپنانے پر زور دیتا ہے۔

ادب اور فن کے مشروع شعبے ہوں یا سائنس اور ٹیکنالوجی کی مفید اقسام یہ سب مسلمانوں کے "مدینۂ فاضلہ" کے لیے بڑا قیمتی اثاثہ ہیں۔ کیا تیل نکالنے اور پٹرو کیمیکل کی صنعت کو چلانے کے لیے اسلامی ممالک میں ہمیشہ غیر مسلموں کو ٹھیکہ ملتا رہے گا؟

دیکھئے! کارِ جہاں دراز ہے اور اسی باعث ہمیں جوہری توانائی بھی درکار ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ فضا کی تسخیر کا گُر ہمیں نہ آئے۔ یا ستاروں پر کمندیں ڈالنے کی سکت

سے ہم محروم رہیں۔ اس کے علاوہ جس طرح مواصلاتی نظام کے لیے مصنوعی سیاروں کی ضرورت ہے۔ اسی عنوان سے ہم اپنے مضبوط دفاع کی خاطر خلائی قلعوں کی صورتگری کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے!

مگر ان تمام احتیاجات کی تکمیل متعلقہ علوم و فنون ہی سے وابستہ ہے!

مولائے متقیان اپنے ہونہار شاگرد اور معتمد صحابی، کمیل ابن زیاد نخعی سے فرماتے ہیں:

مَا مِنْ حَرَکَۃٍ اِلَّا وَ اَنْتَ مُحْتَاجٌ فِیْھَا اِلٰی مَعْرِفَۃٍ۔

کمیل! دنیا کا کوئی کام، کوئی حرکت ایسی نہیں جس میں تمھیں علم کی محتاجی نہ ہو!

— تحف العقول۔ صفحہ ۱۱۹۔ طبع بیروت

نیز سرکار نبیِ رحمت نے اسلامی معاشرے کی "طرح" ڈالتے ہی یہ ہدایت فرمائی تھی کہ "علم کے لیے چین جیسے دور دراز علاقے تک جانے میں بھی کسی کو کوئی تکلف نہیں ہونا چاہئے!" اور اگر ستارۂ ثریا سے حکمت و عرفان کی روشنی ملتی ہے تو خلا نوردی کو بھی زندگی کا معمول بنا لیا جائے۔

البتہ ہمیں یہ کبھی نہ بھولنا چاہیے کہ ایک سچے مسلمان کی پہچان یہ ہے کہ اس کی رفتار و گفتار سے للّٰہیت کا رنگ جھلکتا ہو!

آدمی پڑھنے کو جو چاہے پڑھے۔ پَر! دو باتوں کا دھیان رکھنا لازمی ہے۔ ایک تو یہ کہ "مضمون" میں فساد کا شائبہ نہ ہو اور دوسرے "نیت" یہ ہو کہ جو کچھ حاصل کیا ہے

اس سے خلق خدا کی خدمت بجالا کر اللہ کی رضا اور اس کی قربت حاصل کریں گے!

بالفاظ دگر "فکروفن" "معاشی جانور پیدا کرنے کا ذریعہ نہیں! یہ تو معبود برحق کے "اچھے بندے" وجود میں لانے کا وسیلہ ہے!

بس! انھیں نظریات کے ساتھ ہمیں اپنے نونہالوں کی تربیت کرنا چاہیئے اور کم عمری میں یہ بات انھیں اس طرح سمجھائی جائے کہ پتھر کی لکیر بن جائے! اور اسی سبب عہد طفولیّت میں دینی تعلیم کو ہر شئی پر ترجیح دی گئی۔ کیونکہ بچّے کی اُٹھان میں اگر صحیح مذہبی افکار و اطوار کی آمیزش نہیں ہوگی تو پھر "تعلیم و تربیت" کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم کے نگہبانوں نے کلام پاک کی تعلیم کو بھی اولاد کا ایک تسلیم شدہ حق اور والدین کا فرض منصبی قرار دیا ہے۔

خطیب منبر سلونی "جناب امیر علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں:

وَحَقُّ الْوَلَدِ عَلَى الْوَالِدِ اَنْ يُحَسِّنَ اسْمَهٗ وَيُحَسِّنَ اَدَبَهٗ وَيُعَلِّمَهُ الْقُرْاٰنَ۔

ایک بیٹے کا اپنے باپ پر یہ حق ہے کہ وہ اس کا اچھا سا نام رکھے۔ حُسن تربیت سے آراستہ کرے اور پھر اسے قرآن مجید کی تعلیم دے۔

——— نہج البلاغہ۔ تقدیم و حواشی
ڈاکٹر صبحی صالح۔ صفحہ ۵۴۶

"بچّوں کی نفسیات" پر غائر نظر رکھنے والے دانشور بتاتے ہیں کہ، پانچ سے لیکر آٹھ سال کی عمر تک کا زمانہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

ڈاکٹر ڈوڈسن کی تحقیق ہے کہ چار سے آٹھ برس تک کے بچوں میں پچاس فیصد (۵۰٪) ذہانت نمود کرتی ہے اور پھر آٹھ سال سے سترہ سال تک فہم و فراست میں تیس فیصد (۳۰٪) کا اضافہ ہوتا ہے۔ ۱ے

بعض علمائے نفس کہتے ہیں کہ اس سن و سال (۵ سے ۸) تک ہیں ہمارے بچے جو پڑھتے، سیکھتے یا دیکھتے ہیں، اس کے سارے نقش دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتے ہیں اور ان وقتوں کی باتیں انھیں ہمیشہ یاد رہتی ہیں۔

بنابریں عبادات کی مشق و تربیت کے لیے بھی اسی دور کو منتخب کیا گیا۔ اور والدین کو تاکید کی گئی کہ وہ اپنے بچوں کو پابندی سے نماز پڑھنے کا عادی بنائیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں۔

فَمُرُوْا صِبْيَانَكُمْ بِالصَّلٰوةِ اِذَا كَانُوْا بَنِىْ سَبْعِ سِنِيْنَ۔

تمہارے بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو انھیں نماز پڑھنے کی تاکید کرو۔

———وسائل الشیعہ۔ جلد ۳، صفحہ ۱۲

بحار الانوار جلد ۱۰۱ صفحہ ۹۸۔

نیز مذہب کے اصول و فروع اور عقائد و مسلّمات کے بارے میں اتنا کچھ بتا دیں کہ کوئی انھیں گمراہ نہ کر سکے۔

DR. FITZHUGH DODSON "HOW TO FATHER," NASH PUBLISHING CORP. ۱ے

LOSANGLES, 1974.

عظیم محدث اور فقیہ شیخ محمد ابن الحسن الحر العاملی نے اپنی گراں بہا پیش کش وسائل الشیعہ کی پندرھویں جلد میں اس موضوع پر بھرپور روشنی ڈالنے کے لیے "احکام الاولاد" کے زیر عنوان سَو سے زیادہ صفحوں پر مشتمل ایک مستقل باب قلم بند فرمایا ہے اس باب میں بچّوں کی مذہبی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں ماں باپ کی ذمہ داریوں کی خاصی طویل فہرست درج ہے۔

یہ سارا اہتمام اس لیے ہے کہ ہماری نسل شروع ہی سے خداشناسی کے ساتھ خیر آشنا اور عبادت گزار بنے تاکہ نہ اس پر کسی برائی کا سایہ پڑے اور نہ راہ سے بے راہ ہونے پائے۔!

مگر اپنے کلیجے کی کونپل، اپنے بالے کی اصلاح کے لیے آپ جو کہنا چاہیں اسے اس طریقے اور سلیقے سے کہیں کہ، بس! بات دل سے نکلے اور دل میں بیٹھ جائے!

تربیت کی خوبی یہی ہے کہ زیر تربیت اطفال کو جب آپ سجانے پر آئیں تو وہ آرائش کے سامان اور مربّی کی حُسن کاری کو دیکھ کر لہلوٹ ہو جائیں۔!

ویسے معاملہ ہے خاصا دشوار! لیکن اس دشواری پر قابو پانا ضروری۔ اور قابو پانے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ تربیت دینے والے اپنے آپ کو سنبھالیں، جذبات پر گرفت رکھیں۔ بچہ جب ضد کرے، کہنا نہ مانے، تو غصّے کو پی جائیں۔ مزاج ٹھنڈا رہے اور یہ جاننے کی کوشش کریں کہ، بگاڑ کی وجہ کیا ہے؟ وہ کیوں بپھرا ہے؟ اور برخوردار کو کس طرح رام کیا جائے؟

یاد رکھیئے! کہ تشدد کی راہوں سے مقصد برآری ممکن نہیں! بلکہ اس کا ردعمل بہت

برا ہوتا ہے۔ فرض کیجیے کوئی نونہال اُچھل کود میں لگا ہوا ہے یا کوئی اور انوادی پن کر رہا ہے۔ آپ کو اس کی شرارت اچھی نہیں لگی، اور بے تحاشا چیخ اُٹھے۔ ! عقل کا زور آزمانے کے بجائے، پھیپھڑوں کی ساری طاقت صرف کر دی ! بچّہ سہم کر رہ گیا !

ذرا سوچئے تو سہی ! آپ کی آواز کی ضخامت سے اس معصوم کے نرم و نازک دماغ کی ریشم جیسی نسوں پر کیا گزر گئی ! اور پھر اگر اس قسم کے دھماکے روز کا معمول بن جائیں تو کیا اس پھول سی جان کے ذہنی طور پر صحیح و سلامت (**Normal**) رہنے کی کوئی ضمانت دے سکتا ہے ؟ - ہرگز نہیں !

اسی لیے کہا گیا ہے کہ "تہذیب کو تعزیر" نہ بنایا جائے۔ پرورش کرنے والوں کا کام ہے کہ وہ کمسن اطفال کی شخصیت سازی سے دلچسپی لیں۔ برق اندازی میں نام نہ پیدا کریں !

سرکار نبی رحمت سے جب دریافت کیا جاتا ہے کہ ایک باپ اپنے فرزند کو خیر و سعادت کے اوصاف سے آراستہ کرنے کے لیے کیا تدبیر اپنائے ؟ تو حضورؐ چند رہنما اصول بیان فرماتے ہیں، ان میں سے ایک قاعدہ یہ تھا۔ "وَلَا یُرْهِقُهُ وَلَا یَخْرُقُ بِهٖ"۔ تربیت کے ضمن میں نہ اتنا بوجھ ڈال دے کہ بچّے کی تاب و تواں جواب دینے لگے اور نہ اتنی سختی کرے کہ برداشت سے باہر ہو جائے۔

—وسائل الشیعہ جلد ۱۵، صفحہ ۱۹۹

اچھّا ! بہت سے لوگ تربیت کے حساب میں ہمیشہ بھنّائے رہتے ہیں۔ بات بات پر جلی کٹی کرتے ہیں جب دیکھو، گرج رہے ہیں، برس رہے ہیں۔ بچّے کی فضیحتیاں

اڑا رہے ہیں۔ برا بھلا کہہ رہے ہیں!

اس رویّے سے ان "تازہ واردانِ سرِ بزمِ رنگ و بو" کے لطیف احساسات پر بڑے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں!

غصّہ، تنہا، جھنجلاہٹ اور پھر آگے چل کر، سرکشی۔ نافرمانی اور انحراف ان کا مقسوم بن جاتا ہے!

جناب امیر علیہ السّلام نے اپنے فرزند ارجمند حضرت امام حسن علیہ السّلام کو "فلسفۂ اخلاق" کا جو وثیقہ لکھ کر دیا تھا، اس میں آپؑ نے انسانی نفسیات کے اس رُخ پر یوں روشنی ڈالی ہے:

اَلِاْفْرَاطُ فِی الْمَلَامَۃِ یَشُبُّ نِیْرَانَ اللَّجَاجِ۔

ہر وقت کی ڈانٹ پھٹکار، لعنت ملامت سے بچّے کے سینے میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

——— تحف العقول۔ صفحہ ۸۴

ایک شخص اصلاح کی غرض سے اپنے نافرمان بیٹے کو جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت اقدس میں لے کر حاضر ہوا۔ اور عرض کی: حضور! یہ بڑا بے کہا گستاخ اور بے ادب ہے! فرمایئے اسے ٹھیک کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کروں۔

امام عالی مقام نے اس کی بات سُن کر یہ نصیحت فرمائی:۔

لَا تَضْرِبْهُ وَاهْجُرْهُ وَلَا تُطِلْ

اسے مارو پیٹو نہیں۔ البتہ کچھ عرصے کے لیے اس سے بات چیت
کرنا چھوڑ دو۔ مگر خفگی کو بھی زیادہ طول نہ دینا۔

_____ بحار الانوار جلد ۲۲ صفحہ ۱۱۲

اگر ہم یہ چاہتے ہیں، اور اپنی اس خواہش میں مخلص ہیں کہ ہماری آنکھوں کا نور، ہمارے دل کا سرور، ہماری گود کا پالا، ہر لحاظ سے مثالی اور ہر اعتبار سے معیاری انسان بن کر اُبھرے تو خود ہمیں اپنے طور طریقوں، عادتوں اور خصلتوں پر ہر گھڑی نظر رکھنا پڑے گی۔

کیونکہ بچّے "صدا بندی کا فیتہ" نہیں ہوتے کہ اس میں جو چاہا بھر دیا۔ ! وہ ایک جیتا جاگتا وجود ہیں ! وہ سننے سے زیادہ دیکھتے ہیں۔ اور چونکہ فطرتاً مقلّد (Imitator) ہوتے ہیں، اس لیے انھیں جو دکھائی دیتا ہے، اسی کی نقل کرتے ہیں ! یوں کہیے کہ وہ ماں باپ کی حرکات و سکنات کا آئینہ ہوتے ہیں۔ بنا بریں والدین کو اپنی عملی زندگی میں سخت احتیاط اور حد درجہ ذمّے داری کا ثبوت فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت امام محمّد باقر علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں :۔

يُحْفَظُ الْاَطْفَالُ بِصَلَاحِ آبَائِهِمْ ۔

والدین کی نیکی اور شائستگی ہی وہ لیاقت ہے جو اولاد کو برائیوں سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔

_____ بحار الانوار۔ جلد ۱۵، صفحہ ۱۷۸

اور اسحٰق ابنِ عمار نے صادق آلِ محمّد کا یہ فرمان ہم تک پہونچایا ہے :۔

اِنَّ اللهَ لَيُفْلِحُ بِفَلَاحِ الرَّجُلِ الْمُؤْمِنِ وُلْدَهُ وَوُلْدَ وُلْدِهِ ۔

مرد مؤمن کی کامیاب زندگی کے سبب، پروردگار عالم اس کے فرزندوں اور فرزند زادوں کو بھی خوش حالی اور بلند اقبالی عطا فرماتا ہے۔

——— بحار الانوار جلد ۱۵، صفحہ ۱۷۸

یاد رہے کہ قرآن حکیم کی زبان میں نیک اور سعید اولاد کو صالح کہا جاتا ہے۔ یہ دیکھئے! اللہ کے دوست جناب ابراہیم دستِ دُعا بلند کئے اولاد کے واسطے یوں سوالی ہوتے ہیں:

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

پروردگارا! تو مجھے ایک صالح فرزند عطا فرما۔

——— سورۂ صافات۔ آیت: ۱۰۰

اور سورۂ انبیاء میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝

اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق سا بیٹا اور یعقوب سا پوتا عنایت کیا اور سب کو صالح بنایا۔

——— سورہ انبیاء، آیت: ۷۲

سرکار صادقِ آلِ محمدؐ فرماتے ہیں:

مِنْ سَعَادَةِ الرَّجُلِ الْوَلَدُ الصَّالِحُ ۔

صالح اولاد، آدمی کے نیک بخت ہونے کی نشانی ہے۔

——— وسائل الشیعہ جلد ۱۵، صفحہ ۹۷

لیکن سوال یہ ہے کہ صالح اولاد بنی بنائی۔ ڈھلی ڈھلائی اور گڑھی گڑھائی مل

جاتی ہے یا دعاؤں اور تمناؤں کیساتھ کچھ کرنا بھی پڑتا ہے ؟ تو جواب صاف ظاہر ہے کہ کچھ نہیں بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ ماں باپ خونِ جگر صرف کرتے ہیں تب کہیں دل کی مراد پوری ہوتی ہے !

اس سلسلے میں قبلاً عرض کیا جا چکا ہے کہ اس مرحلے پر ہمیں اپنے اقوال و اعمال کا ہمہ جہتی جائزہ لینا پڑے گا۔ بات چیت میں کوئی جھول نہ ہو، زندگی کے کاموں میں کہیں خم نہ کھائیں۔ ورنہ! پھر وہی کہ بچّے جو سنیں گے اور جو دیکھیں گے وہی کریں گے !

مثلاً خداوند عالم نے سورۂ انعام میں اپنے آخری پیغام کی تکمیل کے بارے میں، بس ۲ دو امتیازی قدروں کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ایک صداقت اور ایک عدالت (Veracity and Justice)

اب اگر ہم اسلامی طرزِ حیات سے لگاؤ رکھتے ہیں تو ان دو خاص عناصر یعنی! سچائی اور انصاف سے منہ نہیں پھیر سکتے۔ گویا دین کے دائرے میں رہتے ہوئے نہ کوئی غلط بات روا ہے، اور نہ کسی کے ساتھ زیادتی ممکن ہے! اور خدانخواستہ اگر کسی سے ان قاعدوں کی پابندی نہ ہو سکی تو پھر اسلام کے حوالے سے اس کی نظریاتی حیثیت ناقابلِ اعتبار سمجھی جائے گی۔

عزتِ نفس، دوسروں کے حق کی نگہداشت، امانت داری، ایفائے عہد اور اسی طرح تمام "اخلاقی خوبیوں" کی حفاظت و صیانت ان ہی دو اساسی فضائل کے لازمی اجزاء ہیں۔

لہٰذا سرپرستوں کو سخت احتیاط اور حد درجہ ذمّے داری کا ثبوت فراہم کرنا چاہیے۔ ورنہ سب تدبیریں الٹی ہو جائیں گی !

اچھا، تو آیئے! پہلے ہم اپنے اپنے گھروں کا جائزہ لیں۔ دیکھیں، خدانخواستہ کہیں اندرونِ خانہ یہ صورتِ حال تو نہیں ہے!؟

جناب سے کوئی ملنے آیا ہے اور آپ کسی باعث اس سے ملنا نہیں چاہتے! مگر آنے والے کو ٹالنے کے لیے اپنے بچے کے سامنے ملازم کو حکم دیتے ہیں —— ! جاؤ! بول دو، صاحب گھر پر نہیں ہیں۔ آنے والا چلا گیا۔ آپ نے اطمینان کی سانس لی مگر آپ کا معصوم بیٹا سکتے میں آگیا!

ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ نورِ چشم نے "رسیور" اُٹھایا۔ بات کرنے والے کا نام معلوم ہوا۔ اور حضور نے تیوری چڑھا کر فرمایا۔ بیٹے کہہ دو: "ابّو کہیں گئے ہوئے ہیں! بچے نے طوطے کی طرح لفظ دھرا دیئے! —————— پر....؟

"گھر کی ملکہ": اپنی صاحبزادی کے لیے جمعہ بازار سے "سویٹر" لے کر آئی ہیں اتفاق سے اسی وقت بی ہمسائی بھی آپہونچیں۔ "سویٹر" دیکھ کر ان کی تو باچھیں کھل گئیں۔! حقّ نظر۔ چشم بد دور! ماشاء اللہ، بہت پیارا ہے! اے بی بی! خدا رکھّے پہننے والوں کو، یہ لیا کہاں سے؟ اور بی بی نے بڑی تمکنت سے جواب دیا: یہاں کا تھوڑی ہے۔ ہمارے بھائی، سان فرانسسکو سے لے کر آئے تھے۔

اماں جان اپنی سی کہہ گئیں، اور بیٹی دم روکے ٹکر ٹکر دیکھتی رہی!

بظاہر یہ روزمرّہ کی ہلکی پھلکی سی باتیں ہیں۔ لیکن! ان معمولی باتوں میں جو بِس بھرا ہوا ہے، جو زہر گھلا ہوا ہے کسی کے لیے اس کے مضر اثرات کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے!

آپ کا بھولا بھالا پوت فطرتاً سچّا۔ بے ریا اور گناہ ناآشنا ہے۔ وہ گھر والوں کی لگاتار

غلط بیانی سنتے سنتے، دو چار دفعہ تو سوالیہ نشان بنے گا اس کے بعد وہ خود منی منی سی جھوٹی باتیں بنانے کا تجربہ کرنے لگے گا اور پھر جیسے جیسے وقت گزرتا جائے گا، دروغ گوئی اس کی عادت اور عادت، طبیعت ثانیہ بن جائے گی۔

معاملے کی اہمیّت کو سمجھنے کی کوشش نہایت ضروری ہے۔ دیکھئے! روزمرّہ کا چھوٹا موٹا جھوٹ دو بڑے نقصانات کا سبب بنتا ہے۔ ایک تو یہ کہ دروغ گوئی سے ہم گناہ گار ہوتے ہیں اور دوسرے یہ کہ بچّے، جو خدا کی ودیعت اور ملّت کا متاع عزیز ہیں۔ انھیں آپ نے عملاً غلط بیانی کی راہ دکھا کر نہ صرف یہ کہ معاشرے کو مسموم کرنے کا سامان مہیّا کیا۔ بلکہ اللہ کی امانت میں خیانت کاری کے بھی مرتکب ہوئے۔!

جھوٹ سے محفوظ رہنے کے سلسلے میں سرکار پیغمبرِ خاتم ارشاد فرماتے ہیں:

اِجْتَنِبُوا الْکِذْبَ وَاِنْ رَاَیْتُمْ فِیْہِ النَّجَاۃَ فَاِنَّ فِیْہِ التَّھْلُکَۃِ۔

دروغ بافی سے بچو! اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ جھوٹ بول کر "تر جاؤ گے" تو یقین رکھو، ایسا نہیں ہوگا۔ غلط بیانی تمھیں لے ڈوبے گی — مستدرک الوسائل جلد ۲ صفحہ ۱۰۰

ایک اور موقع پر حضور ہادی برحقؐ یوں ہدایت فرماتے ہیں:

اَقَلُّ النَّاسِ مُرُوْئَۃً مَنْ کَانَ کَاذِبًا۔

مردانہ خوبیوں کی سب سے زیادہ کمی اس میں ہوتی ہے جو جھوٹ بولتا ہے۔

— مستدرک الوسائل جلد ۲۔ صفحہ ۱۰۰

نیز پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ارشاد گرامی ہے۔

اِیَّاکَ وَالْکِذْبَ فَاِنَّہٗ یُسَوِّدُ الْوَجْہَ۔

جھوٹ سے گریز کرو۔ اس سے آدمی کے منہ میں کالک لگ جاتی ہے۔

— مستدرک الوسائل جلد ۲ صفحہ ۱۰۰

اور جناب امیر علیہ السّلام فرماتے ہیں:

دَعِ الْكِذْبَ تَكَرُّمًا اِنْ لَمْ تَدَعْهُ تَأَثُّمًا۔

اگر تمھیں گناہ آلود ہونے کا احساس نہیں تو اپنے نفس کی عزت ہی کے لیے جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو۔ نہج البلاغہ. شرح ابنِ ابی الحدید. جلد ۲۰. صفحہ ۲۷۱

باقرالعلوم جناب امام محمد باقر علیہ السّلام کا ارشاد ہے:

كَانَ عَلِيُّ ابْنُ الْحُسَيْنِ يَقُوْلُ لِوُلْدِهٖ، اِتَّقُوا الْكِذْبَ الصَّغِيْرَ مِنْهُ وَالْكَبِيْرَ فِيْ كُلِّ جِدٍّ وَهَزْلٍ فَاِنَّ الرَّجُلَ اِذَا كَذَبَ فِي الصَّغِيْرِ اجْتَرَاَ عَلَى الْكَبِيْرِ۔

حضرت امام زین العابدین سلام اللہ علیہ اپنے فرزندوں سے فرمایا کرتے تھے جھوٹ چھوٹا ہو یا بڑا اس سے بچنا ضروری ہے۔ اسی طرح بات سنجیدہ ہو یا مزاحاً کچھ کہا جا رہا ہو، کسی صورت بھی حرفِ غلط زبان پر نہ آنے پائے۔ کیونکہ جب انسان تھوڑی سی دروغ بیانی کر لیتا ہے تو پھر اس میں بڑے سے بڑا جھوٹ بولنے کی بھی جرأت پیدا ہو جاتی ہے۔

تحف العقول صفحہ ۲۰۱ - وسائل الشیعہ. جلد ۲ صفحہ ۲۳۲

بابُ الحوائج حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ہماری دنیا کو "جو فکری دولت" عطا فرمائی ہے، اس میں آپ کا ایک رسالہ 'عقل' کے عنوان پر بھی ہے۔ ہمارے ساتویں رہبر نے یہ تحریر اپنے ہونہار شاگرد ہشام ابن الحکم کو عنایت فرمائی تھی [۱]

---

[۱] مندکرہ بالا ذہن آفرین عطیہ کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے عظیم فلسفی اور اسفار کے خالق صدر المتألہین ملا صدرا. محمد ابنِ ابراہیم شیرازی. متوفی سنہ ۱۰۵۰ھ نے اس کی شرح بھی قلمبند کی ہے۔

اس مفصّل ہدایت نامے کا ایک بصیرت افروز جملہ یہ ہے:

یَا هِشَامُ: إِنَّ الْعَاقِلَ لَا یَکْذِبُ وَإِنْ کَانَ فِیْهِ هَوَاهُ۔

ہشام! نادرست بات سے کوئی خواہش ہی کیوں نہ پوری ہوتی ہو پھر بھی عقلمند آدمی کبھی جھوٹ نہیں بولے گا۔ ——— تحف العقول۔ ابن شعبہ حرانی۔ صفحہ ۲۸۸

علاوہ ازایں اور بھی بہت سے امور ہیں جو تربیت کے لیے خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔ لیکن ہم نے ان اوراق کو صرف اساسی امور تک محدود رکھا ہے۔ بنابریں آئے دن پیش آنے والے ایک اور حسّاس مسئلے کی جانب آپ کی توجّہ مبذول کراتے ہوئے اس حصّے کو تمام کرتے ہیں۔

دیکھیے! خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۝

عہد کی پابندی کرو، بے شک عہد کے بارے میں تم کو جواب دہی کرنا ہوگی۔

——— سورہ بنی اسرائیل۔ آیت: ۳۴

اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ کے اس ارشاد عالی سے ہمیں آگاہ فرمایا ہے: لَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ۔

جو شخص عہد و پیمان کا پابند نہ ہو، اسے مسلمان نہیں سمجھنا چاہیے۔

——— بحار الانوار۔ جلد ۱۶۔ صفحہ ۱۴۴

اب یہاں ایفائے عہد یا وعدے کی تکمیل سے مراد صرف اس قول و قرار کی پاسداری نہیں۔ جو سیاست، حکومت، تجارت اور معاشرت کے بڑے بڑے معاملات سے وابستہ ہے۔ بلکہ اس میں ہمارے چھوٹے چھوٹے سے نجی اور گھریلو قسم کے وعدے بھی شامل ہیں!

مثال کے طور پر، ماں باپ بازار جانا چاہتے ہیں یا کسی سے ملنے کے لیے نکل رہے ہیں اور بچّے کو اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتے۔ مگر وہ گھر میں ٹھہرنے کو تیار نہیں۔!

اب اسے گھر میں رہنے پر آمادہ کرنے کے لیے اس سے کہا جاتا ہے کہ "تم بہت اچھے بچّے ہو! اور اچھے بچّے کہنا مان لیتے ہیں۔ دیکھو! ہم واپسی پر تمہارے واسطے ٹافی کا ڈبہ اور بیٹری (Battery) سے چلنے والی بڑی سی کار لے کر آئیں گے۔!

بچّہ اس دل آویز پیش کش پر مفاہمت کر لیتا ہے اور ماں باپ کے جاتے ہی اس کی آنکھیں دروازے پر لگ جاتی ہیں! ذرا سی آہٹ سُنی اور کان کھڑے ہو گئے! منّے کو اپنے "امّی ابّو" کی زبان پر اعتبار ہے! وہ اپنی پسند کی چیزوں کو، خیال کے آئینے میں بار بار دیکھتا ہے اور خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتا!

اے لیجیے! اماں ابّا آ گئے۔ دل ہے کہ قد و قامت سے زیادہ اُونچا اچھل رہا ہے! مگر یہ سراپا انتظار، اور ہمہ جاں اشتیاق بچّہ جب والدین سے وہ چیزیں مانگتا ہے جن کا یہ وعدہ کر کے گئے تھے، تو پتہ چلتا ہے کہ وہ تو حالات، واقعات، تساہل، تغافل عذرِ لنگ یا سنسنی پیدا کر دینے والے کسی تازہ تازہ بہانے کی بھینٹ چڑھ گئیں۔

اب یقین مانیے! کہ یہ نونہال متوقع چیزوں کے نہ ملنے کے سبب جس ہولناک ردِّ عمل سے دوچار ہوا ہو گا اور پھر اس کے نرم نرم دل، اور نازک نازک سے دماغ پر جو گزری ہو گی اسے کوئی نہیں سمجھ سکتا۔!

اس کے علاوہ یہ تلخ تجربہ اس معصوم جان کے لیے کتنے بُرے پہلو اور کس درجہ منفی زاویے پیدا کرنے کا باعث ہو گا۔!؟

نیز اگر ایک آدھ دفعہ اور اسی قسم کے غلط وعدوں کا اعادہ ہوا تو پھر کیا یہ امیّد کی جاسکتی ہے کہ وہ بچّہ کبھی بھی زبان کی صداقت کا پاس واحترام کرے گا؟ اور اپنی عملی زندگی میں قول وقرار کا پابند رہے گا؟ نیز جب وہ ذہنی طور پر "عہد وپیمان" کی عظمت واہمیت ہی کا قائل نہیں ہوگا تو اس سے ایک اچھّے انسان اور معیاری مسلمان بننے کی کیا توقع کی جاسکتی ہے!؟

بنابریں ہمارے رہنماؤں نے ہمیں یہ ہدایات دی ہیں:

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ اَحِبُّوا الصِّبْیَانَ وَارْحَمُوْھُمْ وَاِذَا وَعَدْتُمُوْھُمْ فَفُوْا لَھُمْ فَاِنَّھُمْ لَا یَرَوْنَ اِلَّا اَنَّکُمْ تَرْزُقُوْنَھُمْ۔

صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں: سرکار رحمۃ للعالمینؐ کا ارشاد گرامی ہے بچّوں سے محبت کرو۔ ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ۔ اور جب ان سے کوئی وعدہ کرلو تو اسے ضرور پورا کرو۔ کیونکہ بچے سمجھتے ہیں کہ تم ان کے رزق رساں ہو۔ "ان داتا ہو۔ انھیں سب کچھ دینے والے تم ہی ہو"

——— بحار الانوار جلد ۱۰۱ صفحہ ۹۲

——— وسائل الشیعہ جلد ۱۵ صفحہ ۲۰۱

اور جناب امیر علیہ السّلام نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ایک حکم محکم کو یوں بیان کیا ہے:

عَنْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِی طَالِبٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِذَا وَعَدَ اَحَدُکُمْ صَبِیَّہٗ فَلْیُنْجِزْہٗ

اللہ کے رسولؐ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ اگر تم میں سے کسی شخص نے اپنے کمسن بچّے سے کوئی وعدہ کرلیا ہے، تو پھر اسے وعدہ وفا کرنا چاہیئے۔

—— مستدرک الوسائل جلد۲۔ صفحہ ۶۲۶

اور خود سرکار ولایت مآبؑ ہماری اخلاقی قدروں کے واسطے ان ان عنوانو سے تقویت کا سامان مہیّا فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

لَا یَصْلَحُ الْکِذْبُ جِدٌّ وَلَا ھَزْلٌ وَلَا اَنْ یَعِدَ اَحَدُکُمْ صَبِیَّہٗ ثُمَّ لَا یَفِیْ لَہٗ۔

قاعدے کی گفتگو ہو یا ہنسی مزاح کی بات۔ بہر حال! یہ کسی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی زبان کو کذب آشنا ہونے دے اور یہ بھی درست نہیں کہ کوئی آدمی اپنے بچّے کو قول دے کر اسے پورا نہ کرے۔

—— وسائل الشیعہ جلد۳۔ صفحہ ۲۲۲

اسی طرح حضرتؑ ایک اور مقام پر یوں رہبری فرماتے ہیں:

لَا تَعِدْ مَا تَعْجِزُ عَنِ الْوَفَاءِ، وَلَا تَضْمَنْ مَا لَا تَقْدِرُ عَلَی الْوَفَاءِ بِہٖ۔

دیکھو! نہ کوئی ایسا وعدہ کرو جس کی تکمیل تمہارے بس سے باہر ہو، اور نہ ایسی ذمے داری لو جس سے عہدہ برآ ہونے کی سکت نہ رکھتے ہو۔

—— غرر الحکم۔ صفحہ ۸۰۱

اور آخر میں۔ میرے مولاؑ نے "رسم وفا" کی جو تعریف کی ہے۔ آیئے! اسے بھی ذہن و ضمیر کی زینت بناتے چلیں۔

فرماتے ہیں: وَفَاءٌ بِالذِّمَمِ زِيْنَةُ الْكَرَمِ۔

وعدے پورے کرنے سے خوبیوں میں اور نکھار آجاتا ہے۔ غرر الحکم۔ صفحہ ۷۸۰

کام کاج

پیٹ بھرنے۔ تن ڈھانکنے اور سر چھپانے کے بندوبست کا معاملہ تو ہر آدمی کے مقدّر میں لکھا ہوا ہے!

اس کے علاوہ معاشرتی زندگی جب آگے بڑھنے لگتی ہے تو ان بنیادی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ "آز ونیاز" کے اور بہت سے نئے رُخ اُبھرتے ہیں اور طرح طرح کے انوکھے دائرے بنتے۔ بڑھتے اور پھیلتے رہتے ہیں۔ پھر ان تمام اساسی اور اضافی احتیاجات سے نمٹنا ہر ذمّے دار شخص کا فرض عین بن جاتا ہے۔

لیکن! حیاتِ مستعار کے طویل سفر میں جو چیزیں درکار ہوتی ہیں، وہ یوں ہی نہیں مل جاتیں۔ ان اشیاء کو حاصل کرنے کے لیے تگ و دو چاہئے ہوتی ہے۔ جدوجہد سے کام لینا پڑتا ہے اور سعی و طلب کا یہی پہلو ہر فرد کے "معاشی مسئلے" کی صورت گری کرتا ہے۔!

اس سلسلے میں اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر مکلف انسان خود سر کھپائے، ہاتھ پیر چلائے اور محنت کے نتیجے میں جو دستیاب ہو، بس! اسی سے اپنی اقتصادی مشکلوں کو حل کرے: پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے:

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝

انسان کو جو کچھ ملے گا اس کی سعی و کوشش کے مطابق ملے گا۔

______ سورہ نجم۔ آیت: ۳۹

اور سورہ نحل میں اس طرح رہنمائی کی جاتی ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

جو آدمی بھی اچھا کام کرے گا، وہ مرد ہو یا عورت، مگر۔ ایمان دار ہو۔ تو ہم اسے اس دنیا میں بھی صاف ستھری زندگی بسر کرنے کے مواقع فراہم کریں گے اور آخرت میں بھی اسے اس کے حسنِ عمل[1] کے مطابق صلہ دیں گے۔

______ سورۂ نحل۔ آیت: ۹۷

---

[1] ممکن ہے بعض لوگ "نیک کام" یا "عمل صالح" کے بارے میں عبادت و ریاضت کا کوئی مخصوص و محدود تصور رکھتے ہوں۔!

(باقی اگلے صفحہ پر)

(مسلسل) مگر جب ہم اللہ کے خاص بندوں کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ باوا آدمؑ کھیتی باڑی میں لگے ہوئے ہیں حضرت نوحؑ کشتی بنانے میں مصروف ہیں۔ جناب داؤدؑ کی کارگاہ کو دیکھئے! اِدھر آواز کے شعلے سے دل پگھل رہے ہیں۔ اُدھر ہاتھ کی سرگرمی سے لوہا موم ہوتا چلا جا رہا ہے، حضرت یوسفؑ مصر کے سیاسی، انتظامی اور اقتصادی مسائل حل کر رہے ہیں۔ جناب ادریسؑ ملبوسات کی تیاری میں منہمک ہیں۔ حضرت سلیمانؑ زمین سے فضا تک عیاں اور نہاں ہر قسم کی مخلوق کو اپنی گرفت میں لیے امورِ مملکت انجام دے رہے ہیں۔ جناب زکریاؑ اپنے کاروبار کی وجہ سے بازار پر چھائے ہوئے ہیں!

خدا کے دوست ابراہیمؑ اور ان کے فرزند ارجمند اسمٰعیلؑ کے ہاتھوں سرزمین مکہ پر منتہائے خلوص کے ساتھ فن تعمیر کا جو نقش ابھرتا ہے وہ قبلہ عالم بن جاتا ہے۔!

ہاں! اولوالعزم پیغمبرؑ جناب موسیٰؑ نے آب رسانی اور گلہ بانی کے کام میں نام پیدا کیا۔ نیز حضرت عیسیٰؑ نے سادہ کاری کے ہنر میں شہرت پائی۔ اور سرکار خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجارت کے میدان میں مثالی کامیابیاں حاصل فرمائیں۔ پھر آپ کے مدرسۂ فکر و عمل سے تعلق رکھنے والے رہنماؤں میں حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ۔ حضرت امام حسنؑ مجتبیٰ اور جامعۂ اہلبیت کے مؤسس حضرت امام جعفر صادق علیہم السّلام زراعت اور باغبانی میں منہمک نظر آتے ہیں!

اب ان خاصانِ خدا اور ذوات مقدسہ کے مذکورہ مشاغل اور مصروفیتوں کو "عمل صالح" کے زمرے میں نہیں شمار کیا جائے گا تو پھر انھیں کیا نام دیں گے؟ علاوہ ازایں محنت مزدوری کے اتنے طویل دور کو عبادت نہ سمجھنا عبادت کے ساتھ زیادتی اور ساری خدائی میں جو نمونے کے اطاعت گزار ہیں ان کے حق میں یہ بے ادبی نہ ہوگی۔؟

مقامات پر مفہوم میں عمومیّت دکھائی دیتی ہے۔ یوں سمجھئے کہ نان ونفقہ کی فراہمی بھی "عمل" بلکہ "حُسن عمل" کے دائرے میں شامل ہے!

ہمارے معصُوم رہبروں کی ہدایات سے بھی اس موضوع پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔

اس سلسلہ میں حضور نبی کریم ارشاد فرماتے ہیں:

مَلْعُوْنٌ مَنْ اَلْقیٰ کَلَّہٗ عَلَی النَّاسِ ۔

راندۂ بارگاہ ایزدی ہے، وہ شخص جو اپنا بوجھ دوسروں کے کاندھوں پر ڈال دے۔

فروع کافی جلد ۵ صفحہ ۷۲۔ تحف العقول صفحہ ۳۲

صادق آلِ محمدؐ کا بیان ہے:

اَلْکَادُّ عَلٰی عِیَالِہٖ کَالْمُجَاہِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۔

محنت مزدوری سے اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے والے کو راہِ خدا کا مجاہد سمجھنا چاہیے۔

بحار الانوار جلد ۱۰۰ صفحہ ۱۳

- فروع کافی جلد ۵۔ صفحہ ۸۸ طبع تہران

سچّی بات یہ کہ اسلام نے محنت مزدوری کو جو عزّت وعظمت دی۔ شاید ہی کسی اور نظام حیات میں کام کاج کرنے کو یہ منزلت، یہ اُونچا مقام حاصل ہوا ہو!

رزق حلال کے لیے خون پسینہ ایک کرنے والوں کے ساتھ سرتاج انبیاؐر کا جو رویہ تھا اس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملے گی۔!

ابنِ اثیر جزری نے اپنی وقیع تصنیف کے ذریعے ہمیں اسوہ حسنہ کی ایک ایسی تصویر دکھائی ہے جس پر مشقت کے رسیا جتنا فخر کریں کم ہے! وہ رقمطراز ہیں:

رَوَی اَنسُ بنُ مالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ لَمَّا اَقْبَلَ مِنْ غَزوَۃِ تَبُوْكَ اِسْتَقْبَلَہٗ سَعْدُ الْاَنْصَارِیُّ، فَصَافَحَہُ النَّبِیُّ (ص) ثُمَّ قَالَ لَہٗ: مَاھٰذَا الَّذِیْ اَکْنَبَ یَدَیْكَ؟ قَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَضْرِبُ بِالْمَرْوَ الْمِسْحَاۃِ فَاُنْفِقُہٗ عَلٰی عَیَالِیْ. فَقَبَّلَ یَدَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ (ص)، وَقَالَ ھٰذِہٖ یَدٌ لَاتَمَسُّھَا النَّارُ

انس ابنِ مالک کا بیان ہے کہ پیغمبرؐ کریم جب غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو سعد انصاری آپ کے استقبال کو نکلے۔ آنحضرت نے ان سے مصافحہ فرمایا اور ہاتھ ملانے کے بعد سرکار رحمتؐ نے سعد سے پوچھا: یہ تمہارے ہاتھ اتنے سخت اور کھردرے کیوں ہیں؟ سعد نے عرض کی: آقا! بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے رسّی اور بلچہ سنبھالے رہتا ہوں، اس وجہ سے گھٹّے پڑ گئے ہیں۔!

سرورِ کونینؐ نے یہ سنتے ہی سعد کا ہاتھ چوم لیا۔! اور فرمایا: سعد! یہ وہ ہاتھ ہے جسے دوزخ کی آگ نہیں چھو سکتی!

——— اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۲۶۹

ایک اور موقع پر سرورِ انبیاؐ اپنے دست و بازو کی کمائی کھانے والوں کے

بارے میں یوں بشارت دیتے ہیں۔

مَنْ اَكَلَ مِنْ كَدِّ يَدَيْهِ كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي عَدَدِ الْاَنْبِيَاءِ وَيَاخُذُ ثَوَابَ الْاَنْبِيَاءِ

جو شخص اپنے ہاتھ پیر چلا کر اپنی روزی حاصل کرتا ہے، قیامت کے دن وہ انبیاء کی صف میں ہوگا۔ اور اسے پیغمبروں کا سا اجر ملے گا۔

——— بحار الانوار جلد ۱۰۳۔ صفحہ ۱۰

اور جناب امام محمدؐ باقر علیہ السّلام کا ارشاد ہے:

اِنَّ وِلَايَتَنَا لَا تُدْرَكُ اِلَّا بِالْعَمَلِ۔

سرگرم عمل ہوئے بغیر ہماری ولایت و محبت کا ادراک ممکن نہیں۔

——— بحار الانوار جلد ۷۷۔ صفحہ ۱۸۸

دراصل روزی روزگار کے بارے میں ہمارے ذہنوں کو بالکل صاف شفاف ہونا چاہئے۔ اور اس ضمن میں چند نکات کا جاننا بہت ضروری ہے۔

پہلے تو یہ کہ ہر آدمی کو حصول معاش کی صحیح غرض و غایت کا قرار واقعی احساس ہو۔ پھر پیشے یا کام کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے اپنی سکت، استعداد اور مطلوبہ قابلیت سے مطمئن ہونا چاہیے۔ نیز ایک مسلمان ہونے کے ناتے حلال و حرام، جائز و ناجائز کے تمام احکام پیش نظر رکھنا فرض عین ہے۔ علاوہ ازایں معاشی تگ و دو میں حدوں کی پابندی بھی امر واجب ہے۔

دیکھا گیا ہے کہ کچھ لوگ "زرگری" کی راہوں میں اک دُھنے بن جاتے ہیں۔ جلب

منفعت کے لیے ہر وقت ستی رہتے ہیں۔ اپنی زندگی، آرام، توانائی۔ خاندانی مراسم اجتماعی تعلقات، دینی فرائض، قومی واجبات، غرضکہ تمام انسانی اور ایمانی قدروں کو "دھن دولت" پر نچھاور کر دیتے ہیں! ۔ اسی لیے اسلام نے معاشی مسائل اور اقتصادی وسائل کے سلسلے میں ہر شخص کو ایک نظریئے اور چند اصول کا پابند کر دیا ہے تاکہ کوئی متنفس افراط و تفریط کا شکار نہ ہونے پائے۔

بنابریں "ماں باپ" پر لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کو افسانوی کردار دینے کے بجائے اسلامی فکر سے کام لیں۔ جس زمانے میں "نسل نو" کے مستقبل کی باتیں شروع ہو جاتی ہیں اس ہنگام والدین کا ایک نمایاں کام یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنی آنکھوں کے تاروں کو سچ مچ کے جیتے جاگتے کارآمد افراد بننے کا تصوّر دیں!

ہاں! ہاں! وہ ان نوُرس دماغوں کو اپنی بساط کے مطابق "ساز و نوا" کا مطلب بتائیں۔ "کام کاج" کا مقصد سمجھائیں۔ اہلیّت و صلاحیت کی جانب توجہ مبذول کرائیں قواعد و ضوابط کی پابندی پر زور ڈالیں۔ درست و نادرست کے خیال کو نقشِ دل بنائیں اور پھر تمام اخلاقی بندشوں کو اپنانے کی تلقین کرتے ہوئے انھیں روزگار سے لگنے کا شوق دلائیں۔ ان میں اس کی رغبت پیدا کریں۔!

اچھا! آیئے۔ اب ہم شریعت کی روشنی میں معاشیات کی ضرورت الزوم اور اہمیت نیز اسلامی اقتصادیات کے طور طریقوں کا قدرے مطالعہ کرتے چلیں تاکہ دامن نگاہ میں جو برگ و گل چن کر رکھیں اس میں سے کچھ پھول پتیاں اپنے پیاروں کو بھی دے سکیں!

سنبھلی ہوئی زندگی!

سکون واطمینان اور عزت و آبرو کے ساتھ دنیا میں رہنے کے لیے معقول آمدنی کا کوئی مناسب ذریعہ ہونا چاہیئے مگر معیشت کے معروف طریقوں، ذہنی کاوش اور محنت و مشقت سے کام لیے بغیر روپے پیسے کی بات گونگے کا خواب بن کر رہ جاتی ہے۔!

نہوت سے اللہ محفوظ رکھے۔غریب انسان کس قدر کمزور، کتنا بے بس، اور کس درجہ حرماں نصیب ہوتا ہے!۔ آیئے اس سچائی کو حکیم الٰہی حضرت علی مرتضیٰؑ کی زبانی سنیں۔

مولائے متقیّان سلام اللہ علیہ اپنے فرزند ارجمند محمد ابن حنفیہ سے فرماتے ہیں:

يَا بُنَيَّ، إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكَ الْفَقْرَ، فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنْهُ، فَإِنَّ

اَلْفَقْرَ مَنْقَصَةٌ لِلدِّيْنِ، مَدْهَشَةٌ لِلْعَقْلِ، دَاعِيَةٌ لِلْمَقْتِ!

بیٹا! ڈرتا ہوں، کہیں تم فقر و افلاس میں نہ مبتلا ہو جاؤ۔ جان پدر! تنگ دستی اور تہی دامنی سے بچنے کے لیے خدا کی پناہ مانگو۔ کیونکہ ناداری اور بے مائیگی سے، دین میں کھوٹ آجاتی ہے۔ ذہن میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے اور جس کے پاس کچھ نہ ہو وہ سب کو کھلنے لگتا ہے!

نہج البلاغہ۔ شرح و حواشی۔ ڈاکٹر صبحی صالح۔ صفحہ ۵۳۱ طبع بیروت

چنانچہ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اس سلسلے میں ہماری فکر کی یوں رہنمائی فرماتے ہیں:

لَاخَيْرَ فِي مَنْ لَا يُحِبُّ جَمْعَ الْمَالِ مِنْ حَلَالٍ يَكُفُّ بِهِ وَجْهَهُ وَيَقْضِيْ بِهِ دَيْنَهُ، وَيَصِلُ بِهِ رَحْمَهُ۔

"لاخیرا" ہے وہ شخص جو اپنی لاج رکھنے، قرضہ ادا کرانے اور عزیز رشتہ داروں کی مدد کے لیے جائز طریقے سے مال اکٹھا کرنے کا خواہش مند نہ ہو!

بحار الانوار جلد ۱۰۰ صفحہ ۷، فروع کافی جلد ۵ صفحہ ۷۲

اور امام محمدؑ باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔

مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا، اِسْتِعْفَافًا عَنِ الْمَسْئَلَةِ وَسَعْيًا عَلٰى عِيَالِهِ وَتَعَطُّفًا عَلٰى جَارِهِ لَقِيَ اللّٰهَ وَوَجْهُهُ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ۔

جو آدمی صحیح طریقوں سے کماتا ہے، اور وہ بھی اس لیے کہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے بچے۔ اپنے بال بچوں کی ضروریات پوری کرے۔ اپنے

پڑوسی کا ہاتھ بٹائے۔ تو اسے یہ اعزاز ملے گا کہ جب وہ خدا کی بارگاہ میں حاضری

دینے پہونچے گا اس وقت اس کا چہرہ چودھویں کے چاند جیسا ہوگا۔

بحارالانوار جلد ۱۰۰ صفحہ ۸ ، مستدرک الوسائل جلد ۲ صفحہ ۴۲۴

اور سرکار ولایت مآب جناب امیرالمؤمنین علیہ السّلام درگاہ احدیت میں دستِ طلب بلند کرکے جو دعائیں مانگتے تھے، ان میں سے ایک دُعا، کا آغاز اس عنوان سے ہوتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صُنْ وَجْھِیْ بِالْیَسَارِ، وَلَا تَبْذُلْ جَاھِیْ بِالْاِقْتَارِ۔

بارالٰہا! معاشی آسودگی سے نواز کر میری آبرو کی حفاظت فرما۔ اور خدایا! اقتصادی کمزوری کے سبب دنیا کی نظروں سے میری حیثیت نہ گرنے پائے!

نہج البلاغہ۔ شرح وحواشی۔ ڈاکٹر صبحی صالح۔ صفحہ ۳۴۷۔ طبع بیروت

صحیفہ علویہ۔ ترجمہ؛ حجۃ الاسلام الحاج سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی صفحہ ۱۴۷ طبع لاہور

اور اب آیئے! اس ضمن میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی ایک خاص ہدایت بھی دل میں اُتارتے چلیں:

رَوَی عَلِیُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِیْزِ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِؑ قَالَ لِیْ: مَا فَعَلَ عُمَرُ بْنُ مُسْلِمٍ قُلْتُ جُعِلْتُ فِدَاکَ، اَقْبَلَ عَلَی الْعِبَادَۃِ وَتَرَکَ التِّجَارَۃَ فَقَالَ وَیْحَہُ اَمَا عَلِمَ اَنَّ تَارِکَ الطَّلَبِ لَا یُسْتَجَابُ لَہُ دَعَوَاتٌ!۔

علی ابن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ صادق آلِ محمدؐ نے مجھ سے دریافت فرمایا۔ محمد ابن مسلم نے کیا کیا؟ میں نے عرض کی۔ فدایت شوم! وہ تو کاروبار تج کر عبادت میں لگ گئے۔ امام عالی مقام نے یہ سُن کر فرمایا: افسوس! انھیں یہ نہیں معلوم کہ جو آدمی روزی تلاش کرنے کی فکر نہیں کرتا۔ اس کی دُعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں۔

وسائل الشیعہ جلد ۱۲ صفحہ ۱۵

نیک جذبے!

دنیا میں سب سے اچھی سماج وہ ہے۔ جسے خدا کی پہچان ہو اور جو لوگ اس سے منسلک ہوں، انھیں امداد باہمی اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کی توفیق بھی حاصل ہو!

اِسلامی معاشرے کی ساخت کچھ اسی ڈھب کی ہے۔ قرآن نے معاشی بیداری کے ساتھ غریبوں کی اعانت اور کمزوروں کو سہارا دینے پر بڑا زور دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَفِیۡۤ اَمۡوَالِہِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ ۝

اور ان کے مال و دولت میں مدد مانگنے والوں اور ضرورت مندوں کا حق ہے۔

——— سورۂ الذریت۔ آیت ۱۹

ہمیں بھی چاہیے کہ اپنے بچّوں میں شروع ہی سے دوسروں کی کمک کرنے اور ان کا ہاتھ بٹانے کی خُو ڈالیں۔ نفسا نفسی، خود غرضی اور آپا دھاپی سے بچا کر رکھیں۔ ان میں وسعت قلب و نظر پیدا کریں اور فرق و امتیاز کے بغیر انھیں سب کے ساتھ مہر و محبت، نیز ممکن طریقوں سے اوروں کو فائدہ پہونچانے کا عادی بنائیں۔ تاکہ خیر کا سفر جاری رہے اور دنیا میں نیک جذبے جاگتے رہیں۔!

فرمان ایزدی ہے:

وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ○

اور اللہ نے تمھیں جو کچھ دیا ہے۔ اس سے اپنی عاقبت بنانے کی کوشش کرو، اور تم اپنے دنیا کے حصّے کو بھی لینا نہ بھولو، پھر جس طرح خدا نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے، اسی عنوان سے تم بھی خلق خدا کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ نیز روئے زمین پر کہیں فساد کے خواہاں نہ ہو۔ کیونکہ یہ یقینی بات ہے کہ اللہ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا۔

——— سورۂ قصص آیت: ۷۷

اور دیکھئے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات عالیہ میں فہم و فراست کی نشوونما کے لیے کتنا بیش بہا ذخیرہ موجود ہے۔

كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ جَالِسًا مَعَ اَصْحَابِهٖ ذَاتَ يَوْمٍ، فَنَظَرَ اِلٰى شَابٍّ ذِىْ جَلَدٍ وَقُوَّةٍ وَقَدْ بَكَرَ يَسْعٰى، فَقَالُوْا وَيْحَ! هٰذَا لَوْ كَانَ شَبَابُهٗ وَجَلَدُهٗ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ: لَا تَقُوْلُوْا هٰذَا، فَاِنَّهٗ اِنْ كَانَ يَسْعٰى عَلٰى نَفْسِهٖ لِيَكُفَّهَا عَنِ الْمَسْئَلَةِ وَيُغْنِيَهَا عَنِ النَّاسِ، فَهُوَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاِنْ كَانَ يَسْعٰى عَلٰى اَبَوَيْنِ ضَعِيْفَيْنِ اَوْ ذُرِّيَّةٍ ضِعَافٍ لِيُغْنِيَهُمْ وَيَكْفِيَهُمْ فَهُوَ

فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاِنْ کَانَ یَسْعیٰ تَفَاخُرًا وَّتَکَاثُرًا فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ الشَّیْطَانِ۔

ایک دن سرکارِ ختمی مرتبتؐ اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک سڈول جسم کے تیز و توانا نوجوان پر نظر پڑی جو صبح صبح محنت و مشقت میں لگا ہوا تھا۔

رسولؐ مقبول کے پاس بیٹھنے والوں نے یہ دیکھ کر، کہا: ہائے۔ہائے! کاش! یہ جوانی اور یہ دَم خَم، اللہ کی راہ میں صرف ہوتا حضوؐر نے سُنا اور سُن کر فرمایا: یوں نہ کہو! اس لیے کہ اگر وہ خود اپنے لئے محنت مزدوری کر رہا ہے، تاکہ دست سوال پھیلانے کی رسوائی سے بچے اور کسی کا محتاج نہ رہے۔ تو پھر سمجھو کہ اس نے یہ کام خدا کی راہ میں انجام دیا — !

اور اگر وہ اپنے ضعیف والدین یا ناتواں بچّوں کو سہارا دینے اور انھیں بے نیاز بنانے کے لیے مصروفِ کار ہے، تب بھی اس کی اس جاں فشانی کو خدا کی راہ میں سمجھنا چاہیے۔

البتہ! اگر صرف اس خیال سے خون پسینہ ایک کر رہا ہے کہ خوب مال بنائے گا، اس کے بعد کثرتِ زر سے اور دل کو دھونس دے گا۔ دوسروں پر بڑائی جتائے گا تو پھر اس کا یہ سارا کیا دھرا شیطان کے حساب میں شمار ہوگا۔

——— (محجۃ البیضاء جلد ۳، صفحہ ۱۴۰)

اِنصاف چاہیئے

یہ تو تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ "اسلام کا نظامِ حیات" ہر فرد کو معاشرے کی فلاح کے لیے حرکت میں رکھنا چاہتا ہے۔ مجموعی طور پر سب کا فعّال اور کارمند ہونا ضروری ہے۔ خصوصاً نئی نسل کے حوالے سے دین کے دامن میں "نکھٹو" کے واسطے کوئی جگہ نظر نہیں آتی!

سرکار نبی کریمؐ کی خدمت میں جب کوئی آنکھوں کو جچتا ہوا تندرست آدمی حاضر ہوتا، تو آپ پاس بیٹھنے والوں سے پوچھتے تھے کہ: یہ کوئی کام کاج بھی کرتا ہے؟ اگر کہا جاتا۔ کہ "جی ہاں"! تو حضورؐ خوش ہو جاتے اور اگر جواب ملتا "نہیں" تو آنحضرتؐ اس کی طرف سے مُنہ پھیر لیتے تھے!

(بحار الانوار۔ جلد ۱۰۱، صفحہ ۹)

اور جناب امیر علیہ السّلام فرماتے ہیں :

مَنْ اَطَاعَ التَّوَانِیْ ضَیَّعَ الْحُقُوْقَ ۔

سست اور کاہل قسم کے لوگ کبھی بھی اپنے حقوق کو ضائع ہونے سے نہیں بچاسکتے۔

—— مجموعۂ شیخ ورّام ۔ جلد ا ۔ صفحہ ۵۹

نیز امام محمّد باقر علیہ السّلام کا بیان ہے :

قَالَ موسیٰ یَا رَبِّ اَیُّ عِبَادِکَ اَبْغَضُ اِلَیْکَ قَالَ جِیْفَۃٌ بِاللَّیْلِ بَطَّالٌ بِالنَّھَارِ ۔

حضرت موسیٰؑ نے خدا سے سوال کیا ۔ یا اللہ ! تو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ کس بندے کو ناپسند فرماتا ہے ؟

جواب ملا : جو رات بھر پڑا سڑتا رہے اور سارا دن بیکاری میں گزار دے !

سفینۃ بحار جلد ۲ ۔ صفحہ ۶۲۴ (ذمّ کثرۃ النوم)

بہرکیف ! اسلام چاہتا ہے کہ افرادی طاقت منجمد نہ ہونے پائے ۔ ہر دانا اور توانا شخص کو کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے ۔

خاصانِ خدا نے دنیا والوں کو راہِ عمل دکھانے کے لیے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ! ہر طرح کا کام کیا ۔ ہر قسم کی زحمت اٹھائی اور حصولِ رزق کے سلسلے میں ہر عنوان سے جدوجہد کی ! تاکہ خونِ گرم دہقاں اور خمِ دوشِ مزدور زندگی کے لیے ہمت و حوصلے کی علامت قرار پائیں ۔ اور محنت کی عظمت (Dignity Of Labor) آسمانوں سے خراج عقیدت حاصل کرتی رہے !

ہاں! معاشی کاوشوں کے ضمن میں کسی ہنر کو اپنانے یا کوئی خدمت بجالانے کے خیال سے کسی جگہ کے انتخاب و اختیار میں بڑے حزم و احتیاط کی ضرورت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص، ہر کام کو حُسن و خوبی کے ساتھ نہیں انجام دے سکتا۔ ہر آدمی کا ڈھچر، ماحول توارث۔ ذہنی صلاحیت، فکری رجحان اور ذاتی میلان مختلف ہوتا ہے اور ان تمام اثر آفرین اجزار کو پیشے یا مشغلے کی کامیابی اور ناکامی میں بڑا دخل ہے!

دیکھئے! جب تک جذبے کی تسکین اور خواہش کی تکمیل نہیں ہوتی، اس وقت تک نہ تو کاریگر میں چٹکی کی صفائی آتی ہے۔ نہ کار آموز کو مہارت نصیب ہوتی ہے اور نہ کاردار کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔!

بنابریں یہ قطعاً نامناسب ہوگا کہ تربیت کے دوران "ماں باپ" اپنے ارمان اور اپنی حسرتوں کو پورا کرنے کے لیے بچّوں کے مستقبل کو تشویشناک حد تک کمزور کر دیں۔ یعنی! ان کے دماغوں پر اپنے خیالات کے جھاڑ جھنکاڑ کا انبار لدوا دیں کہ خود ان کی اپنی فکر کا "اکھوا" نہ پھوٹنے پائے!

بڑے لوگ، بزرگ حضرات اپنی محبت اور تجربوں کی بنا پر اپنے چھوٹوں کو اچھا بُرا سمجھائیں، نفع و ضرر کی شناخت کروائیں اور ضرور کروائیں۔ مگر "نوخیز نسل" کو بھی یہ آزادی ملنا چاہیے کہ منزل شباب میں قدم رکھنے کے بعد وہ اپنی تر و تازہ "عقل و آگہی" سے اپنا معاشی راستہ خود تلاش کریں۔

کیونکہ جو شخص جہاں مصروف عمل ہوتا ہے، وہاں اس سے اچھّی کارکردگی--- (Efficiency) کی توقع کی جاتی ہے، اور اچھی کارکردگی کے لیے متعلقہ پیشے

(Professions) سے وفاداری اور مفوضہ کام سے انصاف چاہیے ہوتا ہے۔!

اب اگر "کسب وکار" کی نوعیت افتاد طبع کے مطابق ہے تو فبہا! لیکن! اگر جگہ اور مشاغل مزاج کے موافق نہیں ہیں تو نہ کارکردگی عمدہ ہوگی اور نا ہی نتائج معیاری نکلینگے! اور یہ بات حق وانصاف کے خلاف جائے گی۔!

سرکار ختم المرسلینؐ ارشاد فرماتے ہیں:

اِعْمَلُوْا فَکُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَہٗ۔

سب اپنی اپنی جگہ سعی و کوشش میں لگے رہو۔ مگر یاد رکھو، جو جس کام کے لیے بنا ہے۔بس! وہی اس کام کو سہولت سے انجام دے سکتا ہے۔

سفینۃ البحار جلد ۳ صفحہ ۷۳۲

ایک اور حدیث میں حضور پُرنور ہمارے ذہنوں کو یوں روشن فرماتے ہیں:

رَحِمَ اللّٰہُ امْرَءً عَمِلَ عَمَلاً فَاَتْقَنَہٗ۔

"خدا مہربان رہے اس شخص پر، جس کے کیے ہوئے کام سے حسن و مہارت کا بھی اظہار ہوتا ہو۔"

وسائل الشیعہ۔ جلد ۱۲، کتاب التجارۃ

اور مولائے متقیان ارشاد فرماتے ہیں۔

مَنْ قَصَّرَ فِی الْعَمَلِ ابْتُلِیَ بِالْھَمِّ۔

جو آدمی پوری طرح کام نہیں کرتا، وہ غم و اندوہ میں مبتلا رہتا ہے۔

نہج البلاغہ۔ شرح و حواشی۔ ڈاکٹر صبحی صالح صفحہ ۹۹۱

نیز ایک اور مقام پر حضرت اس عنوان سے رہبری فرماتے ہیں:

اِنَّ اللہَ عَزَّ وَجَلَّ یُحِبُّ الْمُحْتَرِفَ الْاَمِیْنَ.

بھروسے کے محنتی کارگزار کو اللہ بھی چاہتا ہے۔

______ وسائل الشیعہ - جلد ۶ - کتاب التجارۃ

______ فروع کافی جلد ۵ صفحہ ۱۱۳

______ ، بحار الانوار جلد ۱۰۰ صفحہ ۹۶

اور سلسلۂ امامت مصطفوی کے ساتویں رہنما حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کا ایک ارشاد! - سرکارِ باب الحوائج فرماتے ہیں۔

مَنْ تَکَلَّفَ مَا لَیْسَ مِنْ عَمَلِهِ

ضَاعَ عَمَلُهُ ، وَخَابَ اَمَلُهُ

جو کام جس کے بس کا نہ ہو، اگر اسے وہ زبردستی انجام دینے کی کوشش کرے گا تو اس کی محنت بھی ضائع جائے گی اور کام خراب ہونے سے امیدیں بھی نہیں بر آئیں گی!

______ (حیاۃ الامام موسیٰ بن جعفر۔

______ باقر شریف القرشی جلد اصفحہ ۲۷۶)

اس سلسلے میں سرکار صادق آل محمدؐ علیہ السّلام کی اس فیصلہ کن ہدایت سے عقل وفکر کو بڑی مدد ملے گی۔

حضور فرماتے ہیں:

كُلُّ ذِي صَنَاعَةٍ مُضْطَرٌّ اِلَى ثَلَاثِ خِصَالٍ يَجْتَلِبُ بِهَا الْكَسْبَ وَهُوَ اَنْ يَكُوْنَ حَاذِقًا بِعِلْمِهٖ، مُؤَدِّيًا لِلْاَمَانَةِ، مُسْتَمِيْلًا لِمَنْ اِسْتَعْمَلَهٗ

صنعت و حرفت کا کوئی شعبہ ہو اس سے تعلق رکھنے والا ہنرمند، اگر پیشے سے کچھ کمانا چاہتا ہے۔ کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے اپنے آپ میں یہ تین خصوصیات پیدا کرنا ضروری ہیں۔

پہلا وصف۔ علمی اور فنّی مہارت

دوسری خوبی امانت داری کے ساتھ اطمینان بخش کارکردگی۔

تیسرا امتیاز۔ کام لینے والوں کے لیے نیک جذبہ، اچھا سلوک۔

بحار الانوار۔ جلد ۱۷ صفحہ ۱۸۲

طرز و انداز

یہ جاننے کے بعد کہ ہر ذمے دار شخص اپنے اور اپنے متعلقین کی گزر بسر کا سامان مہیا کرنے کے لیے "معاشی وسیلے" ڈھونڈنے کا پابند ہے اور ساتھ ہی دوسروں کی ضرورت پورا کرنے اور ان کی مالی دشواریوں میں مقدور بھر ہاتھ بٹانا بھی شریعت اسلامی کی ایک طلب ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ آدمی جس قسم کا بھی کام کر رہا ہو، اسے چاہئے کہ نہایت دل جمعی اور خوش اسلوبی سے اپنے کام کو انجام دے۔

نیز اپنے بچوں کو بتانے کے لیے اب یہ ذہن نشین کرنا بھی ہم سب کا فرض ہے کہ جو پیشہ اختیار کیا جائے جس کاروبار میں قدم رکھا جائے اور جن خدمات (Services) کو اپنایا جائے، ان کا شرعی نقطۂ نظر سے جائز اور مباح ہونا ضروری ہے! کیونکہ مذہب نے طہارت فکر وضمیر تحفظ مفاد عامہ اور بعض نفسیاتی عوامل کے پیش نظر کمائی کے کچھ ذریعوں کو ممنوع اور بعض کو مکروہ قرار دیا ہے۔

لہٰذا اگر کسی شعبے میں کام کرنا روا نہیں ہے تو، اس کی آمدنی ناجائز اور اس سے ہمدست ہونے والے تمام فائدے مثلاً۔ اجرت، تنخواہ، کمیشن، الاؤنس، بونس اور انعام وغیرہ سحت یعنی! حرام کی کمائی محسوب ہوں گے۔

قرآن مجید میں یہودیوں کے کرتوت بیان کرتے ہوئے خلاق عالم ارشاد فرماتا ہے:

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ط

یہ جھوٹی باتوں پر کان دھرنے والے اور حرام مال کھانے والے ہیں۔ سورۂ مائدہ۔ آیت ۴۲

نامی گرامی مفسر علامہ طباطبائی اس آیۂ وافی ہدایہ کے لفظوں کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے ترقیم فرماتے ہیں:

فَكُلُّ مَالٍ اُكْتُسِبَ مِنْ حَرَامٍ فَهُوَ سُحْتٌ

"ہر وہ مال جو ناجائز (حرام) طریقوں سے کمایا جائے اسے سحت کہتے ہیں۔"

——— المیزان۔ جلد ۵۔ صفحہ ۳۴۱

اور اس سلسلے میں جناب امیر علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں:

كُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ فَالنَّارُ اَوْلٰى بِهٖ۔

حرام مال (سُحت) سے پیدا ہونے والا گوشت جہنم کا حصّہ ہے۔

مجمع البیان الحدیث۔ صفحہ ۴۰۹

المیزان جلد ۵ صفحہ ۳۴۱

چنانچہ ہادیٔ برحق حضورِ ختمی مرتبتؐ چاہتے ہیں۔ کہ امّت کا ہر فرد "رزقِ حلال" کے ساتھ زندگی کا سفر طے کرے۔ کیونکہ یہ خدا پسند "طرز و انداز" آخرت میں بھی کام آئے گا۔!

نبی کریمؐ فرماتے ہیں: طُوبیٰ لِعَبدٍ طَابَ کَسبُہٗ۔

بڑا ہی خوش نصیب ہے وہ آدمی جس کی کمائی پاک و پاکیزہ ہو۔

تاریخ یعقوبی جلد ۲۔ صفحہ ۵۹

سرکار رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم ایک اور موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:

اَلعِبَادَۃُ سَبعُونَ جُزأً، اَفضَلُھَا طَلَبُ الحَلَالِ۔

عبادت سّتر حصوں پر مشتمل ہے۔ سب سے بہتر حصّہ رزق حلال کی طلب ہے۔

تحف العقول صفحہ ۳۲ - فروع کافی جلد ۵۔ صفحہ ۷۸

اور حضرت علی مرتضیٰ صلوات اللہ و سلامہ علیہ کا ارشاد ہے:

طُوبیٰ لِمَن ذَلَّ فِی نَفسِہٖ وَ طَابَ کَسبُہٗ وَ صَلُحَت سَرِیرَتُہٗ وَحَسُنَت خَلِیقَتُہٗ وَ اَنفَقَ الفَضلَ مِن مَالِہٖ۔

زہے قسمت! کیا کہنا اس شخص کا، جو اپنی جگہ خود کو چھوٹا سمجھے۔ جس کی آمدنی حق حلال کی ہو جس کی طبیعت پسندیدہ اور جو اپنی بچت سے دوسرں

کو فائدہ پہونچاتا ہو۔

(نہج البلاغہ۔ شرح و حواشی۔ ڈاکٹر صبحی صالح صفحہ ۴۹۰ طبع بیروت)

نیز امام جعفر صادق علیہ السّلام کے شاگرد رشید' ابو بصیر مرادی کا بیان ہے:
صادقِ آلِ محمدؐ فرماتے تھے: میں اپنی زمینوں پر اتنی محنت کرتا ہوں کہ سر سے پاؤں تک پسینے میں شرابور ہو جاتا ہوں!

لِيَعْلَمَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ
اِنِّي اَطْلُبُ الرِّزْقَ الحَلَالَ

حضرت وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ اس لیے کہ خدائے عزّ و جل کی بارگاہ تک یہ حقیقت پہونچ جائے کہ "میں رزقِ حلال کا طالب ہوں"۔

وسائل الشیعہ۔ جلد ۶۔ صفحہ ۲۳ فروع کافی جلد ۵ صفحہ ۷۷

نظام و انتظام

زندگی کے معاملوں میں نہ افراط اچھا۔ نہ تفریط بھلی! انسان جس کام میں لگے اسے بس! حدوں کے اندر رہ کر انجام دے۔

کسب معاش کے مسئلے میں بھی بڑے سنبھلے ہوئے رویّے کی ضرورت ہے۔ مشاہدہ بتاتا ہے کہ کاروبار میں قدم جماتے ہی خاصے سمجھ دار لوگ بھی "کمائی" کو ایک ذریعے کے بجائے "پورا مقصد" بنا لیتے ہیں! اور جس کے باعث وہ نہ تو اپنے دوسرے فرائض کے لیے وقت نکالنے کے قابل رہتے ہیں۔ نہ اپنی اور ذمے داریوں کو خاطر میں لاتے ہیں! بالآخر وہ عام دنیا سے کٹ جاتے ہیں اور عاقبت کے لیے بھی ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا!

معاشی فروغ یا اقتصادی ترقی میں نمایاں کردار ادا کرنا بہت اچھی بات سہی! مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی، آدمی نہ رہے۔ "روبوٹ" (Robot) بن جائے!

صادق آلِ محمدؐ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں:

اِيَّاكَ وَالضَّجَرَ وَالْكَسَلَ اِنَّهُمَا مِفْتَاحُ كُلِّ سُوْءٍ اِنَّهُ مَنْ كَسِلَ لَمْ يُؤَدِّ حَقًّا وَمَنْ ضَجِرَ لَمْ يَصْبِرْ عَلٰى حَقٍّ.

اتنی زیادہ دوڑ دھوپ نہ کرو کہ سانس لینے کی فرصت نہ ملے، اور نہ اس درجہ سُست بنو کہ بیٹھ گئے تو ہلنے کا نام نہیں لیتے۔ یہ دونوں کیفیتیں تمام برائیوں کی جڑ ہیں۔ یاد رکھو! جو کاہلی برتے گا وہ کما حقّہ اپنا کام نہیں انجام دے سکے گا اور جو ضرورت سے زیادہ تیزی دکھائے گا۔ وہ "حق" کی نشانیوں کو پھلانگ کر مقررہ حدود سے تجاوز کر جائے گا!

——— وسائل الشیعہ جلد ۶ صفحہ ۳۹

مقصد یہ کہ "کام کاج" کسی ڈھنگ کا ہو۔ مزدوری، ملازمت، زراعت، تجارت، صنعت و حرفت۔ بہر عنوان آدمی کو اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لیے ایک بندھے ٹکے نظام اور نپے تلے انتظام کی ضرورت ہے۔

مشاغل اور مصروفیتوں کی ترتیب، توازن اور میانہ روی کے سلسلے میں مکتبِ وحی کے چھٹے نمائندے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام ہی کا ایک اور حرفِ ہدایت!

لِيَكُنْ طَلَبُكَ الْمَعِيْشَةَ فَوْقَ كَسْبِ الْمُضِيْعِ وَدُوْنَ طَلَبِ الْحَرِيْصِ الرَّاضِيْ بِدُنْيَاهُ الْمُطْمَئِنِّ اِلَيْهَا.

کسب وکار کے ضمن میں ایک طرف تو تمھیں اپنی کارگزاری کو سست رفتار اور سہل انگار آدمی سے بہتر و برتر بنانے کی ضرورت ہے اور دوسری جانب معاشی تگ و دو میں تمھیں اس لالچی انسان سے جو دنیا پر ہر چیز لٹادینے کے بعد بھی مگن رہتا ہے۔ بالکل مختلف کردار انجام دینا چاہیے۔

______ مجموعۂ ورام جلد ۱، صفحہ ۱۳

______ وسائل الشیعہ جلد ۶ صفحہ ۳۰

بنابریں، ماں باپ پر فرض ہے کہ کمسنی ہی سے وہ اپنے بچّوں کو اعتدال کی راہ دکھائیں۔ حرص وہوس سے بچائے رکھیں۔ کسی قسم کا ہوکا نہ پیدا ہونے دیں۔ دل و دماغ کو قناعت کے اسلامی تصور سے آراستہ کریں اور یہ بتاتے رہیں کہ معاشی پیش رفت کے ساتھ ساتھ کچھ اور امور بھی ہیں جن کی بجا آوری بہت ضروری ہے۔

جناب امیر علیہ السّلام نے اپنے سعادت مند فرزند امام حسن علیہ السّلام کے نام ایک پیغام میں انسانی فکر کو اس حقیقت کی جانب توجّہ دلائی ہے کہ زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہر آدمی اپنا "وقت نامہ" (Time Table) مرتب کرے۔

محدّث طوسی اعلیٰ اللہ مقامہٗ ابوحمزہ سعدی کی سند سے رقم فرما ہیں۔ اپنے بڑے صاحبزادے کو یہ نصیحت کرتے ہوئے کہ:

یَا بُنَیَّ: لَا بُدَّ لِلعَاقِلِ مِنْ اَنْ یَنْظُرَ فِی شَأْنِہٖ فَلْیَحْفَظْ لِسَانَہٗ وَلْیَعْرِفْ اَھْلَ زَمَانِہٖ۔

بیٹا! سمجھ دار آدمی کو چاہیے کہ ہمیشہ اپنا جائزہ لیتا رہے، اپنی زبان کو

قابو میں رکھے، اور اپنے معاصرین یعنی ابنائے زمانہ کے احوال و اوضاع سے باخبر رہے۔

سرکار ولایت مآبؑ اس نکتے کو بطور خاص مورد التفات قرار دیتے ہیں کہ تقسیم و تعیین اوقات میں ان تین اہم واجبات کی ادائیگی کو ترجیح و اولیت ہی نہیں بلکہ اساسی حیثیت دی جائے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

لِلْمُؤمِنِ ثَلَاثُ سَاعَاتٍ: فَسَاعَةٌ يُنَاجِي فِيهَا رَبَّهُ، وَسَاعَةٌ يَرُمُّ مَعَاشَهُ، وَسَاعَةٌ يُخَلِّي بَيْنَ نَفْسِهِ وَ بَيْنَ لَذَّتِهَا۔

مؤمن کا فرض ہے کہ وہ اپنے "شب و روز" کا لائحہ عمل کچھ اس طرح بنائے کہ گھڑی بھر تو پاک پروردگار کے حضور "عرضِ نیاز" اور "دعا و مناجات کی سعادت حاصل کرے۔ ایک پہر وہ اپنے مالی اور معاشی معاملات کی دیکھ بھال کا کام انجام دے، اور اس کے وقت کا کچھ حصّہ جائز اور نجی تفریحات کے لیے مخصوص ہونا چاہیے۔

______ فروع کافی جلد ۵ صفحہ ۸۷

______ الامالی جلد ۱ صفحہ ۱۴۵

______ المحاسن للبرقی صفحہ ۳۴۵

______ نہج البلاغہ۔ حواشی،

______ ڈاکٹر صبحی صالح صفحہ ۵۴۵

ثامن آل ائمہ حضرت امام رضا سلام اللہ علیہ کا ارشاد ہے :-

اِجْعَلُوْا لِاَنْفُسِكُمْ حَظًّا مِنَ الدُّنْيَا بِاَعْطَائِهَا مَا تَشْتَهِي مِنَ الْحَلَالِ وَمَا لَمْ تَثْلَمِ الْمُرُوْءَةُ وَلَا سَرَفَ فِيْهِ وَاسْتَعِيْنُوْا بِذٰلِكَ عَلٰى اُمُوْرِ الدُّنْيَا

دنیا کی لذتوں سے محظوظ ہونے کے لئے بھی تھوڑا وقت نکالو۔ جائز طریقوں سے اپنی خواہشوں کو پورا کرو۔ بس! یہ خیال رہے کہ تمہاری شرافت کی قدریں اور مردانگی کا شعور نہ مار کھانے پائے۔ ہاں! حدوں کے اندر رہنا بھی ضروری ہے۔ اس طرح تم دنیوی معاملات میں بہتر طور پر کامیاب ہو سکتے ہو۔

——— بحار الانوار جلد ۱۷ صفحہ ۲۰۸

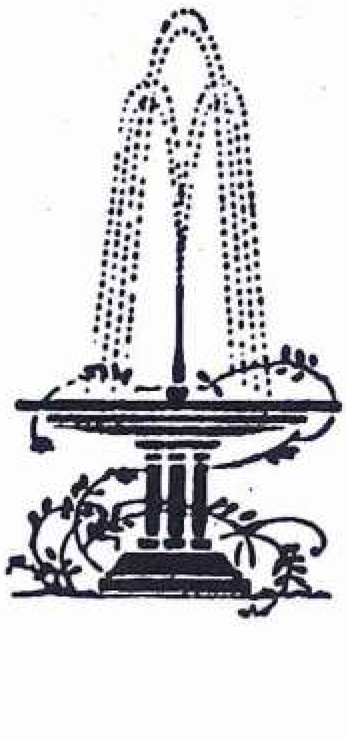

کتابیات

۱۔ القرآن الحکیم

۲۔ ادعیۂ صحیفۂ سجّادیہ — حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام

۳۔ انوار التنزیل — عبداللہ بن عمر البیضاوی

۴۔ اصول کافی — محمد ابن یعقوب کلینی

۵۔ الارشاد — شیخ مفید

۶۔ الامالی — شیخ صدوق

۷۔ اسد الغابہ — ابنِ اثیر جزری

۸۔ اعیان الشّیعہ — سیّد محسن امین العاملی

۹۔ الاخلاق القرآنیّہ — زہیر الاعرجی

۱۰۔ اصول تعلیم — ڈاکٹر خواجہ غلام السیّدین

۱۱۔ بحار الانوار — علامہ مجلسی

۱۲۔ البیان — محمدّ ابنِ حسن طوسی

۱۳۔ تحف العقول — ابن شعبۂ حرّانی

۱۴۔	تہذیب الاحکام	محمدؐ ابنِ حسن طوسی
۱۵۔	تاریخ یعقوبی	ابنِ واضح یعقوبی
۱۶۔	جامع البیان	ابن جریر طبری
۱۷۔	جامع ترمذی	محمدؐ بن عیسیٰ ترمذی
۱۸۔	الدّر المنثور	جلال الدّین سیوطی
۱۹۔	الذّریعہ الیٰ تصانیف الشّیعہ	آغا بزرگ طہرانی
۲۰۔	روضۃ الکافی	محمدؐ ابن یعقوب کلینی
۲۱۔	روضات الجنّات	محمدؐ باقر خوانساری
۲۲۔	سنن ابو داؤد	امام ابو داؤد
۲۳۔	سیرۃ النبیؐ	شبلی نعمانی۔ سلیمان ندوی
۲۴۔	شرحِ نہج البلاغہ	ابن ابی الحدید۔ ڈاکٹر صبحی صالح
۲۵۔	الصحیح من سیرۃ الرسول الاعظم	جعفر مرتضیٰ العاملی
۲۶۔	صحیح بخاری	امام بخاری
۲۷۔	صحیح مسلم	امام مسلم
۲۸۔	عیون اخبار الرّضا	شیخ صدوق
۲۹۔	غرر الحکم و درر الکلم	عبدالواحد آمدی
۳۰۔	فروع اور روضہ کافی	محمدؐ ابن یعقوب کلینی
۳۱۔	فضائل الامام علیؑ	محمدؐ جواد مغنیہ

۳۲-	الفصول فی سیرۃ الرسولؐ	ابن کثیر دمشقی
۳۳-	فجر الاسلام	احمد امین
۳۴-	قرب الاسناد	عبداللہ بن جعفر حمیری
۳۵-	کودک وجوان	محمدتقی فلسفی
۳۶-	کشف المحجۃ	سید علی ابن طاؤوس
۳۷-	الکنیٰ والالقاب	شیخ عبّاس قمیؒ
۳۸-	مشکوۃ الانوار	ابوالفضل علی ابن حسن طبرسی
۳۹-	مستدرک الوسائل	میرزا حسین نوری
۴۰-	مکارم الاخلاق	رضی الدّین حسن ابن فضل طبرسی
۴۱-	مجموعۂ ورّام (نزہۃ النّاظر)	شیخ ورّام ابن ابوفراس حلّی
۴۲-	من لایحضرہ الفقیہ	شیخ صدوق
۴۳-	المیزان فی تفسیر القرآن	سیّد محمّد حسین طباطبائی
۴۴-	مکاتیب الرّسول	علی بن حسین علی احمدی
۴۵-	مقدمہ ابن خلدون	عبدالرّحمٰن ابن خلدون
۴۶-	نقد الحدیث	ڈاکٹر حسین حاج حسن
۴۷-	وسائل الشیّعہ	شیخ حرّ عاملی
۴۸-	الوافی	ملّا محسن فیض کاشانی
۴۹-	الوثائق السیّاسیّہ	ڈاکٹر حمید اللہ

چند مغربی ماخذ

1 — How to Parent. Dr. Fitzhugh Dodson, Nash Publishing Co., Los Angles, 1970.

2 — Between Parent And Child, Dr. Haim Ginnot, The MacMillan Company, New York, 1965.

3 — Between Parent And Teenager, Dr. Haim Ginnot.

4 — Improving Your Child's Behavior, Dr. Medeline Hunter and Dr. Paul Carlson.

5 — Parent Effectiveness Training, Dr. Thomas Gordon, Peter H. Wyden, Inc. New York, 1970.

6 — How To Father, Dr. Fitzhugh Dodson, Nash Publishing Co. L.A. 1974.

7 — The World of the Child. Edited by Toby Talbot, Anchor Books. N.Y., 1968.

8 — How Children Learn, by John Holt. Pitman Publishing Corporation, New York, 1967.

9 — Improving Your Child's Behavior Chemistry by Lendon H. Smith, Prentice-Hall, inc. New Jersey, 1976.

10 — Teacher And Child, by Haim Ginott, MacMillan, N.Y., 1972.

11 — How To Help Your Child Get The Most Out of School, by Stella Chess and Jane Whitbread, Doubleday and Company, Inc., 1974.

12 — Child Development Through Literature, Edited by Elliott D. Landan and Others, Prentice-Hall, Inc., New Jersey, 1972.

13 — How To Raise A Brighter Child, by Joan Beck (Trident Press).

14 — Give Your Child A superior Mind, by Siegfried and Therese Engelmann (Simon and Schuster).

15 — Magical Child by Joseph Pearce, Bantam Books, N.Y. 1980.

16 — A Short History of Religion, By E.E. Kellett, London 1939.

مسئلہ خمس

ایک رہنما کاوش ❁ ایک مثالی کتاب ❁ ایک نمائندہ تحریر

تحقیق و نگارش :— **علامہ سید ابن حسن نجفی**

❁ اُردو زبان میں "استدلالی فقہ" پر اولیں پیش کش!

❁ خمس اسلامی اقتصادیات کا بڑا اہم موضوع، اور زکوٰۃ کی طرح انتہائی برجستہ مالی عبادت ہے۔

❁ تفسیر و حدیث، روایت و درایت، قانون و فلسفہ قانون، تاریخ و تنقید نیز عہدِ نبویؐ کے مجموعۂ وثائق اور دستاویزی شہادتوں کی روشنی میں اس مسئلے کا جائزہ لیا گیا ہے۔

❁ علم و آگہی سے بھرپور اس مجموعے کا ہر ورق فکر و نظر کی خوبیوں اور زبان و بیان کی رعنائیوں کا دل آویز مرقع ہے۔

ادارہ تمدنِ اسلام

پوسٹ بکس ۱۳۶۹۸ کراچی ۱۳۸۱

☆ رشحاتِ قلم ☆

آیۃ اللہ شیخ محمد حسین آلِ کاشف الغطاء

اصل و اصولِ شیعہ

☆ ترجمہ، تقدیم اور حاشیے ☆

علامہ سید ابنِ حسن نجفی

ادارہ تمدّنِ اسلام

پوسٹ بکس ۱۳۶۹۸ کراچی ۱۳۸۱

غدیرِ خُم
اور
خُطبۂ غدیر

علمی کدوکاوش کی ایک نئی مثال!

تحقیق و جستجو کا ایک انوکھا معیار!

نیز

زبان و ادب کا ایک انقلابی شاہکار

تحقیق و نگارش

علامہ سیّد ابن حسن نجفی

ادارۂ تمدّنِ اسلام

پوسٹ بکس ۱۳۶۹۸ کراچی ۱۳۸۱

انقلاب کربلا کی پاسبان اور فلسفۂ شہادت کی ترجمان

حضرت زینب کبریٰ

کے تاریخ ساز اور عہد آفرین

خطبے

از

علامہ سید ابن حسن نجفی

ادارۂ تمدنِ اسلام

پوسٹ بکس ۱۳۶۹۸ کراچی ۱۳۸۱

ادارۂ تمدّنِ اسلام۔ کراچی